بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُسوۂ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت مولانا ابوعمار زاہد الراشدی

— ناشر —

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عنوان : اُسوۂ سرورِ کونین ﷺ

تالیف : مولانا ابوعمار زاہد الراشدی

مرتب : ناصر الدین خان عامر

مجموعہ : نومبر ۲۰۲۴ء

ناشر :

اشاعت :

فہرست

• پیش لفظ 11

• عرضِ ناشر 12

☆ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ شق القمر 13

• مشرکینِ مکہ کا مطالبہ اور آیتِ قرآنی 13

• جزائر مالابار کے ایک حاکم کی تصدیق 14

• ہندوستان کی تاریخی روایت 14

• مصری سائنسدان ڈاکٹر فاروق الباز کی تحقیق 15

☆ رسول اللہ ﷺ کے معجزات 16

• کنکریوں کا معجزہ 16

• شقِ قمر کا معجزہ 16

• کفارِ مکہ کی فرمائش پر معجزات 17

• معجزات اور نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں 18

• قرآن کریم کا معجزہ 19

• حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا نتیجۂ فکر 20

• غیر متبدل کتاب 20

• ظہورِ اسلام کا تقاضا 21

☆ انسانی حقوق اور اسوۂ نبوی ﷺ 23

• سیرتِ نبویؐ کا چمنستان اور ہمارا طرزِ عمل 23

• انسانی حقوق اور مغرب کا دعویٰ 24

- جانوروں کی دادرسی..24
- مالک کے حق کا خیال..25
- بچے کے حق کا لحاظ..25
- عورت کی رائے کا احترام..26

☆ دیارِ مغرب کے مسلمانوں کے لیے اسوۂ نبوی ﷺ........................28

- غزوۂ بدر سے راہنمائی..28
- اسلام میں لوگوں کے احوال وظروف کا لحاظ..29

☆ رسول اکرم ﷺ کی دس نصیحتیں..31

- اللہ کی وحدانیت کا اقرار..31
- ماں باپ کی فرمانبرداری..31
- فرض نماز کی پابندی..32
- نشے کی ممانعت..32
- احکامِ الٰہی کی پیروی..33
- میدان جنگ کی ثابت قدمی..33
- تقدیرِ الٰہی پر صبر و شکر..33
- زیرِ کفالت افراد کی ضروریات کا خیال..34
- گھریلو نظم کا قیام..34
- عقائد و اعمال اور تعلیم و تربیت کی نگرانی..35

☆ آنحضرت ﷺ کی معاشرتی حیثیات..36

- رفاہی کارکن کی حیثیت..36
- داعی اور مصلح کی حیثیت..37
- معلّم کی حیثیت..38

- ہمہ جہت معاشرتی کردار 38
- خود احتسابی کی قرآنی ہدایت 39
- علماء کرام وائمہ عظام کے لیے پیغام 39

☆ قدرتی آفات اور تعلیماتِ نبوی ﷺ 41

- زلزلہ کی تباہ کاریاں اور اربابِ فکر کے سوالات 41
- ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں جائزہ 42
- قدرتی آفات کے مقابلہ کا عزم؟ 44
- عازمینِ حج کو ایک دانشور کا مشورہ 44

☆ قدرتی آفات کے اسباب و عوامل اور ہماری ذمہ داری 46

- قدرتی آفات کون لاتا ہے؟ 46
- آفتیں کیوں آتی ہیں؟ 47
- آفات کا دائرۂ اثر کیا ہے؟ 49
- ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ 50

☆ تہذیبی چیلنج اور تعلیماتِ نبوی ﷺ 52

- جدید تہذیب کے گمراہ کن رویے 52
- نبی اکرمؐ کی سیرت و تعلیمات سے راہنمائی 53
- آج کے مسائل اور ہمارے متضاد رویے 53
- خلفائے راشدین کے اجتہادی فیصلوں سے راہنمائی 55
- شریعت کے اصول اور زمانے کے تقاضے 57

☆ تعددِ ازدواج اور اسلامی تعلیمات 58

- مغربی اعتراضات کا جائزہ 58
- مرد کے لیے چار شادیوں کی اجازت 59

• جناب نبی اکرمؐ کی چار سے زیادہ بیویاں 61
• عورت کے لیے چار شادیوں کی اجازت کیوں نہیں؟ 63
• خاندانی نظام کا انتشار اور اس کا حل 64
☆ بچیوں کے زندہ درگور کا رواج اور اسوۂ نبوی ﷺ 65
• ایک عرب شاعر کا اعتراف 65
• عرب جاہلیت میں عورت کی حیثیت 66
• ایک سنگدل کا قصہ 66
• ایک رحمدل کا قصہ 68
• نبی اکرمؐ کا حسنِ سلوک 68
• دورِ جدید میں جاہلیت 69
☆ رسول اللہ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات 71
• تاریک دور اور روشن دور کی تقسیم 71
• حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاداتِ نبویؐ 72
☆ معراج النبی ﷺ 76
• اسراء اور معراج کے سفر 76
• معجزات کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ 76
• خواب کا مغالطہ 77
• نبوی خواب کی حیثیت 77
• خلط ملط اعمال کرنے والوں کا خواب 79
• توبہ استغفار اور غسل کی مماثلت 80
• امتِ محمدیہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام 82
• انسانوں کے لیے جنت اور دوزخ کا فیصلہ 83

- آخری جنتی کا حصہ 84

☆ سنتِ ابراہیمیؑ اور اسوۂ نبویؐ 86
- قربانی کی تاریخ اور صورتیں 86
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب 87
- قربانی، نبی اکرمؐ کے ارشاد و عمل کی روشنی میں 88
- چند مغالطوں کا ازالہ 89
- قربانی کا مقصد اور مصرَف 91
- ہماری قربانیاں کس کے لیے؟ 92

☆ مانعِ حمل تدابیر اور تعلیماتِ نبوی ﷺ 94
- حضورؐ سے ”عزل“ سے متعلق سوال 94
- جواز اور عدمِ جواز کی صورتیں 95

☆ رسول اکرم ﷺ کی دعائے سفر 97
- نبی اکرمؐ کی سفر پر روانگی 97
- نبی اکرمؐ کی سفر سے واپسی 99

☆ مرد و عورت کا میل جول اور تعلیماتِ نبوی ﷺ 100
- مرد و عورت کے اختلاط کی حدود 100
- عورت کی ذاتی و سفری ضروریات 101

☆ خالق اور مخلوق کے حقوق میں توازن اور اسوۂ نبوی ﷺ 103
- رسول اکرمؐ کا پہلا تعارف 103
- رسول اکرمؐ کا دوسرا تعارف 104
- رہبانیت اور خدا فراموشی کی دو انتہائیں 104

- گروہی دائروں سے بالاتر ہوکر نسلِ انسانی کو دعوت 105
- اسلامی عبادات اور انسانی معاملات میں توازن 106

☆ وظائف و اَوراد معمولاتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں 107

- ہمارے گھروں کا ماحول اور غیبی مخلوق 107
- حضرت ابو سعید خدریؓ کا واقعہ 108
- حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت 109

☆ ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول“ 111

- ذکرِ رسولؐ رضائے خداوندی کا ذریعہ 111
- سیرتِ طیبہ کے خوشہ چینوں کا امتحان 111
- اطاعتِ رسولؐ کا قرآنی حکم 112
- قرآن کریم کے متعلق ایک پرانا سوال 113
  - o حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا جواب 113
  - o حضرت عمران بن حصینؓ کا جواب 113
  - o سفر کا قرآنی حکم اور اسوۂ نبویؐ 114
  - o حضرت امام شافعیؒ کا جواب 115
- احکامِ نبویؐ کی دینی حیثیت 115

☆ حقوق کا شعور اور اسوۂ نبوی ﷺ 117

- دینِ اسلام میں انسانی حقوق کی پاسداری 117
- بچوں کے حقوق 118
- عورتوں کے حقوق 118
  - o مجادلہ کا حق 118
  - o حضرت عمرؓ اور مدینہ کی خواتین 119

o بریرہؓ اور مغیثؓ کا واقعہ 120
• محنت کشوں کے حقوق 121
o حضرت ابو مسعود انصاریؓ کا واقعہ 121
o حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت 121
• حقوقِ انسانی کے شعور کا شاندار ماضی 122
☆ غزوۂ تبوک اور حضرت کعب بن مالکؓ 123
• حضورؐ کی غزوہ کے لیے روانگی 123
• غزوہ سے واپسی 124
• حضرت کعبؓ کا معاشرتی مقاطعہ 125
• شاہِ غسان کی طرف سے سیاسی پناہ کی دعوت 125
• گھریلو مقاطعہ بھی! 126
• حضرت ابوقتادہؓ کا جواب 127
• معافی کی اطلاع کا دلچسپ واقعہ 127
• رسول اللہؐ کی خدمت میں 128
☆ درسگاہِ نبوی ﷺ کے دو طلبہ 129
• حضرت عبداللہ بن مسعودؓ 130
o بکری کے دودھ کا واقعہ 130
o احادیث میں القابات اور خانۂ رسول میں حیثیت 131
o حضرت عمرؓ کی طرف سے اعزاز 132
• حضرت عبداللہ بن عباسؓ 132
o حضرت عمرؓ کی خدمت میں 133
o بزرگوں کا اکرام 133

☆ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت 135
• اللہ اور رسولؐ دونوں کی اطاعت لازم ہے 135
o نماز کی فرضیت 135
o سفر کی قصر نماز 136
o قرض اور گروی کا معاملہ 137
• اللہ تعالیٰ کی اطاعت آنحضرتؐ کی اطاعت پر موقوف ہے 138
o حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اشکال 139
• قرآن کریم کی تعبیر و تشریح کی فائنل اتھارٹی کون؟ 140
o حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا واقعہ 140
☆ لباس و ستر پوشی اور تعلیماتِ نبوی ﷺ 143
• ستر پوشی اور قرآن کریم 143
• ستر پوشی اور ارشاداتِ نبویؐ 144
• اسلام کی فطری تعلیمات اور مغربی تہذیب 146

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ایک ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کی وسعتوں اور گہرائی کو آج تک نہیں ماپا جاسکا، اور چونکہ اسوۂ نبوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام انسانی سماج کی قیامت تک ہمہ نوع ضروریات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جن کا حل وقت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ سامنے آتا رہے گا، اس لیے اس بحرِ ناپیدا کنار کی وسعت و گہرائی کو قیامت تک پیمائش کے دائرے میں لانا ممکن بھی نہیں ہے۔ سیرتِ طیبہ ماضی کی طرح آج کی سماجی ضروریات کو بھی محیط ہے اور مستقبل کی سماجی ضروریات اور انسانی مسائل و مشکلات کا حل بھی اس میں پنہاں ہے، اس لیے ہر دور کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق سیرتِ مبارکہ اور اسوۂ حسنہ کے اظہارِ بیان میں تنوع و تسلسل بھی جاری ہے جو قیامت تک اسی طرح قائم وساری رہے گا۔

دینِ اسلام کے ایک کارکن اور دینی تعلیمات کے ایک داعی کے طور پر مجھے بھی اپنے بیانات، دروس اور مضامین میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے مختلف اور متنوع پہلوؤں پر اظہارِ خیال کی سعادت حاصل رہی ہے اور اس کا سلسلہ بحمد اللہ آج بھی جاری ہے، اور یہ گزارشات اخبارات و جرائد اور بیانات میں بکھری ہوئی ہیں جن کا ایک انتخاب فرزند عزیز حافظ ناصر الدین خان عامر نے زیرِ نظر مجموعہ میں حسنِ ذوق کے ساتھ مرتب کیا ہے، جس میں عصرِ حاضر کی بہت سی علمی، معاشرتی، تہذیبی اور دیگر ضروریات پر ان معروضات کو اپنے ذوق و ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، امید ہے کہ علماء و طلبہ کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم سے بہرہ ور شائقین کے لیے بھی یہ مجموعہ مفید ہوگا۔ اللہ رب العزت عزیزم عامر خان کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازیں اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں میں ہمارا نام شامل فرما کر اسے ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دیں، آمین یارب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی
۱۸ نومبر ۲۰۲۴ء

عرضِ ناشر

نبی اکرم ﷺ کا معجزہ شق القمر

ہفت روزہ ترجمان اسلام، لاہور

بخاری شریف ص ۷۲۱ ج ۲، مسلم شریف ص ۳۷۲ ج ۲، متدرک حاکم ص ۷۲۴ ج ۲ میں متعدّد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اظہار کے لیے مکی زندگی میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔ اس تاریخی معجزہ کے بارہ میں روایات اتنی کثرت سے منقول ہیں کہ علامہ سبکیؒ نے انہیں متواتر کا درجہ دیا ہے۔

مشرکینِ مکہ کا مطالبہ اور آیتِ قرآنی

ابونعیمؒ نے دلائل میں اس واقعہ کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس طرح نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہؐ کے پاس مشرکوں کا ایک گروہ آیا جس میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد المطلب اور نضر بن حارث بھی تھے، انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ واقعی سچے ہیں تو اپنی سچائی کے ثبوت میں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، اس طرح کہ اس کا ایک ٹکڑا قبیس کی پہاڑی پر اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر ہو۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو کیا تم لوگ ایمان لے آؤ گے؟ کہنے لگے ہاں! وہ رات چودھویں تھی اور چاند آسمان پر پورے آب تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! ان مشرکوں کا سوال پورا فرما دے۔ پھر آپؐ نے انگلی سے اشارہ کیا تو چاند اسی طرح دو ٹکڑے ہو گیا جس طرح کافروں نے کہا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ابوسلمہ اور ارقم اس پر گواہ رہنا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ص ۲۶۱ ج ۴ میں سورۃ قمر کی پہلی آیت ''اقترب الساعة وانشق القمر'' کے حوالہ سے اس بات پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے کہ یہ آیت نبی اکرمؐ کے معجزۂ شق القمر کے بارے میں

ہے۔

جزائر مالا بار کے ایک حاکم کی تصدیق

ملا محمد قاسم فرشتہؒ تاریخ ہند ص ۴۸۹ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کی ابتداء میں کچھ عرب مسلمان کشتی پر سوار جزائر سری لنکا کی طرف جا رہے تھے کہ طوفانوں کی وجہ سے جزائر مالا بار کی طرف جا نکلے اور وہاں گدنکلور نامی شہر میں کشتی سے اترے۔ شہر کے حاکم کا نام ''سامری'' تھا۔ اس نے مسلمانوں کے بارے میں یہودی اور عیسائی سیاحوں سے کچھ سن رکھا تھا۔ عرب مسلمانوں سے کہنے لگا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کے حالات اور ان کی کچھ علامات بیان کریں۔ ان مسلمانوں نے اسے آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی، اسلام کے اصول و مسائل، اور نبی اکرمؐ کے معجزات کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں، دریں اثنا شق القمر کے تاریخی معجزہ کا ذکر بھی کیا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ذرا ٹھہرو ہم اسی بات پر تمہاری صداقت کا امتحان لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں دستور ہے کہ جو بھی اہم واقعہ رونما ہو اسے قلمبند کر کے شاہی خزانہ میں تحریر کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اگر تمہارے کہنے کے مطابق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کے اظہار کے لیے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا تو اسے یہاں کے لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا اور اتنا محیر العقول واقعہ ضرور قلمبند کر کے شاہی خزانے میں محفوظ کر لیا ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے پرانے کاغذات طلب کیے، جب اس سال کا رجسٹر کھولا گیا تو اس میں یہ درج تھا کہ آج رات چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر جڑ گیا۔ اس پر وہ بادشاہ مسلمان ہو گیا اور بعد میں تخت و تاج چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ ہی عرب چلا گیا۔

ہندوستان کی تاریخی روایت

علامہ سید محمود شکری آلوسیؒ اپنی کتاب ''مادل علیه القرآن مما یعضد الهیئة الجدیدة القویمة البرہان'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ جب سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان پر بار بار حملے کر رہے تھے، انہوں نے بعض عمارتوں پر یہ تختی لکھی ہوئی دیکھی کہ اس عمارت کی تکمیل اس رات ہوئی جس رات چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

مصری سائنسدان ڈاکٹر فاروق الباز کی تحقیق

روز نامہ نوائے وقت لاہور ۹ جنوری ۱۹۷۵ء کے صفحہ نمبر ۲ پر خبر شائع ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مصری سائنسدان ڈاکٹر فاروق الباز نے، جو واشنگٹن میں طبقاتِ ارضی اور اجرامِ فلکی کے تحقیقاتی مرکز کے ڈائریکٹر ہیں، گزشتہ روز مصر کے صدر جناب انور السادات سے ملاقات کی اور انہیں قرآن کریم کے اس نسخے کا ایک ورق پیش کیا جو اپالو ۱۵ کے خلانورد چاند پر رکھ کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر فاروق نے صدر سادات کو مریخ کی ایک وادی کا ماڈل پیش کیا جسے وادیٔ قاہرہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چاند پر سے لی گئی عرب ممالک کی رنگین تصویر پیش کی اور چاند پر موجود ایک دراڑ کی تصویر بھی پیش کی جسے عرب دراڑ کا نام دیا گیا ہے اور جس کے بارے میں سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب چاند دو ٹکڑے ہوا تھا تو دوبارہ جڑتے وقت یہ دراڑ رہ گئی تھی۔ صدر سادات نے ان تمام دستاویزات کو مصر کے سائنسی ریسرچ سنٹر میں رکھنے کی ہدایت کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے معجزات

۴ جون ۱۹۹۹ء کو مرکزی جامع مسجد، فنس بری پارک، لندن میں
جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میں نے سورۃ العنکبوت کی دو آیات تلاوت کی ہیں جو اکیسویں پارے کے پہلے رکوع کی آخری آیتیں ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ مشرکینِ مکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر و بیشتر نشانیوں اور معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی اکرمؐ کو سینکڑوں معجزات عطا فرمائے ہیں جن میں سے بعض معجزات ایسے ہیں جو مشرکین کی فرمائش پر دیے گئے، اور ایسے معجزات بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کسی فرمائش کے بغیر اپنی حکمت سے عطا فرمائے۔

کنکریوں کا معجزہ

سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک کافر نے بند مٹھی آنحضرتؐ کے سامنے کر کے کہا کہ اگر آپ یہ بتا دیں کہ اس بند مٹھی میں کیا ہے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ خود بتا دیں تو؟ اس نے کہا کہ یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ چنانچہ اس کی مٹھی میں جو کنکریاں تھیں وہ نبی کریمؐ کے ارشاد پر خود بول اٹھیں اور بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا۔ یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جو ایک کافر کی فرمائش پر ظاہر ہوا۔

شقِ قمر کا معجزہ

اسی طرح شقِ قمر کا معجزہ ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک رات مطلع صاف تھا، چاند مکمل تھا اور جناب رسول اکرمؐ چاند کی روشنی میں کھلے آسمان تلے تشریف فرما تھے۔ مکہ کے چند سرکردہ حضرات

آئے اور کہا کہ ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں مگر شرط یہ ہے کہ یہ چاند آپ کی سچائی کی گواہی دینے کے لیے دو ٹکڑے ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ آپ اشارہ کریں، آپؐ نے انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اب وہ کافر سردار ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، آنکھیں مل رہے تھے، اور بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ رہے تھے، مگر ایمان مقدر میں نہیں تھا۔ اس لیے جب یہ یقین ہو گیا کہ چاند واقعی دو ٹکڑے ہے جو صاف نظر آ رہا ہے تو کہنے لگے کہ بڑے بڑے جادوگر دیکھے ہیں مگر کسی کا جادو آسمان پر نہیں چلتا، اور یہ تو اتنا بڑا جادوگر ہے کہ اس کا جادو آسمان پر بھی چلتا ہے۔

کفارِ مکہ کی فرمائش پر معجزات

تو اللہ رب العزت نے جناب رسول اکرمؐ کو کفارِ مکہ کی فرمائش پر بھی متعدد معجزات عطا فرمائے مگر اس کے باوجود ان کے مطالبات کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے جن میں سے بعض فرمائشوں کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے:

- مثلاً ایک بار انہوں نے تقاضا کیا کہ اللہ تعالیٰ خود ہمارے سامنے آکر آپؐ کی نبوت کی شہادت دے، یا کم از کم اللہ تعالیٰ کے فرشتے آکر ہمیں بتائیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔
- ایک موقع پر یہ تقاضا کیا کہ اگر آپ رسولِ خدا ہیں تو آپ کے آگے آگے فرشتوں کو ہونا چاہیے جو پروٹوکول کی ڈیوٹی دیں اور لوگوں کو خبردار کریں کہ اللہ کے نبی آ رہے ہیں۔
- ایک تقاضا یہ تھا کہ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو مکہ مکرمہ میں آپ کا سونے کا محل ہونا چاہیے، انگور اور کھجور کا باغ ہونا چاہیے اور نہریں اور چشمے ہونے چاہئیں تاکہ لوگوں کو دور سے پتہ چلے کہ یہ پیغمبر کا ڈیرہ ہے۔
- اسی طرح کفارِ مکہ کی ایک یہ فرمائش بھی قرآن کریم نے بیان کی ہے کہ آپ یہ کتاب جو تھوڑی تھوڑی کر کے ہمیں سناتے ہیں اسے ہم نہیں مانتے۔ ہم تو اس کتاب کو مانیں گے کہ آپ ہمارے سامنے خالی ہاتھ آسمان کی طرف چڑھ جائیں اور پھر وہاں سے واپس آئیں تو آپ کے ہاتھ میں کتاب ہو، اس کتاب پر ہم ایمان لائیں گے۔

الغرض اس طرح کے بے تکے سوالات اور تقاضے مشرکینِ مکہ آنحضرتؐ سے کرتے رہتے تھے۔

معجزات اور نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں

سورۃ العنکبوت کی جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے انہی سوالات کا جواب دیتے ہوئے دو باتیں فرمائی ہیں۔ پہلے مشرکین کا سوال نقل کیا ہے کہ ’’وہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمد پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتیں؟‘‘ اگرچہ نشانیاں تو بہت سی نازل ہوئیں جو مشرکین نے بھی دیکھیں، مگر ان کا مطلب تھا کہ جو نشانیاں ہم کہتے ہیں وہ کیوں پوری نہیں ہوتیں؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلی بات یہ فرمائی کہ ’’قل انما الآیات عند اللہ‘‘ (العنکبوت ۵۰) اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ یعنی نشانیاں اور معجزات دینا اس کے اختیار میں ہے اور اس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے کہ کون سی نشانیاں دینی ہیں اور کونسی نہیں، میرا کام نشانیاں پیش کرنا نہیں اور نہ ہی یہ میری ڈیوٹی میں شامل ہے۔ ’’انما انا نذیر مبین‘‘ (العنکبوت ۵۰) میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤں اور اس کے احکام کو کھول کر بیان کر دوں۔ نشانیاں اور معجزات دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، چاہے دے اور چاہے نہ دے، اور اس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے۔

اب آپ خود غور کر لیجئے کہ چاند کا دو ٹکڑے کرنا بھی کفارِ مکہ کا مطالبہ تھا اور مکہ مکرمہ میں سونے کا ایک محل بھی انہی کا تقاضا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا چاند دو ٹکڑے کر دیا مگر مکہ مکرمہ میں سونے کا محل نہیں دیا، حالانکہ ہمارے حساب سے وہ اس سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ وہ مشکل ہے اور نہ یہ مشکل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں سونے کا ایک محل بنا دیتے تو کون سی مشکل بات تھی مگر ایسا نہیں کیا اور اسی میں حکمت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں، کوئی حکمت ہماری سمجھ میں بھی آجاتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ کی ہر حکمت ہم سمجھ جائیں، البتہ یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم یا کام حکمتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

حوالہ اس وقت ذہن میں نہیں ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالہ سے کسی جگہ پڑھا تھا کہ مکہ مکرمہ میں جناب نبی اکرمؐ کو سونے کا محل نہ دینے کی ایک حکمت ہماری سمجھ میں بھی آتی ہے

کہ اگر یہ سونے کا محل بن جاتا تو قیامت تک کے لیے مخالفین کو ایک ہتھیار مل جاتا کہ جتنے لوگ بھی آنحضرتؐ پر ایمان لائے وہ ان کی سچائی اور اسلام کی حقانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ سونے کا محل دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان کا چاند تو مشرکینِ مکہ کی فرمائش پر دو ٹکڑے کر دیا مگر مکہ مکرمہ میں سونے کا ایک محل بنا کر نہیں دیا۔

قرآن کریم کا معجزہ

مکہ مکرمہ کے کفار کے اس سوال کے جواب میں دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ

> ’’کیا ان کو یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے جو اُن پر تلاوت کی جاتی ہے، اس کتاب میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔‘‘

گویا اللہ رب العزت نے یہ فرمایا کہ قرآن کریم جیسے عظیم معجزے اور نشانی کے بعد یہ اور کس معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ایک بہت بڑی بات سامنے آجانے کے بعد چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے پڑنا عجیب سا لگتا ہے اور بے وقوفی معلوم ہوتی ہے اور قرآن کریم میں سوال کے انداز میں مشرکین کی اسی بے وقوفی کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن کریم جناب رسول اکرمؐ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے اور قیامت تک زندہ رہنے والا معجزہ ہے۔ باقی بہت سے معجزے وقتی تھے جن پر ہمارا ایمان ہے، مثلاً:

- ہم نے چاند کو دو ٹکڑے نہیں دیکھا مگر ہمارا اس پر ایمان ہے،
- یا ہم میں سے کسی نے آپؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹتے نہیں دیکھا مگر ہمارا ایمان ہے،
- ہم نے آپؐ کی برکت سے چند افراد کا کھانا سینکڑوں حضرات کو سیر ہو کر کھاتے نہیں دیکھا مگر ہمارا ایمان ہے۔
- اسی طرح اور معجزات ہیں جو ہم نے دیکھے نہیں مگر ان میں سے جو بھی صحیح روایات کے ساتھ ثابت ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔

البتہ قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، قرآن کریم کو دیکھ بھی رہے

ہیں اور اس کے اعجاز کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں، اور قیامت تک لوگ اس زندہ معجزہ کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے رہیں گے۔

قرآن کریم کا ایک اعجاز ہے کہ یہ سینوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور پھر محفوظ رہتا بھی ہے۔ دنیا میں صرف یہی ایک کتاب ہے جس کے حافظ لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی خصوصیت ہے جس کا ذکر خود قرآن کریم نے سورۃ العنکبوت کی مذکورہ آیات سے کچھ پہلے کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی آیات اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ رہتی ہیں ''فی صدور الذین اوتوا العلم'' (العنکبوت ۴۹)۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ کا نتیجۂ فکر

اس پر حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ نے بڑی دلچسپ بات لکھی ہے، فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اصل جگہ سینہ ہے جبکہ کتابت امرِ زائد ہے۔ یعنی قرآن کریم کا اصل مقام یہ ہے کہ اسے سینے میں محفوظ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے اسباب سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو بے نیاز ذات ہے اس لیے اس کا کلام بھی بے نیاز ہے اور ظاہری اسباب کا محتاج نہیں۔ آج دنیا میں کاغذ، قلم، سیاہی، ڈسک، کیسٹ، سی ڈی اور اس طرح کے اسباب ختم ہو جائیں اور ان کا وجود باقی نہ رہے تو دنیا کی ہر کتاب ختم ہو جائے گی، ہر تحریر اور کلام فنا ہو جائے گا مگر قرآن کریم پھر بھی موجود رہے گا جو ان اسباب سے بے نیاز ہے اور لاکھوں اہلِ ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے۔

غیر متبدل کتاب

اسی طرح قرآن کریم کے اعجاز کا ایک اور پہلو بھی دیکھ لیں۔ دنیا میں لاکھوں کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں مگر کسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوتا ہے تو وہ پہلے سے مختلف ہوتا ہے، تیسرے ایڈیشن میں اور زیادہ فرق ہو جاتا ہے۔ مگر قرآن کریم کے جو چند نسخے سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تحریر کیے گئے ان میں سے دو نسخے اصلی حالت میں آج بھی موجود ہیں۔ ایک ترکی میں ہے جو استنبول کے توپ کاپی میوزیم میں ہے، اور دوسرا یہاں لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں ہے۔ اس لندن والے نسخہ کی میں نے بھی زیارت کی ہے جس کے آخر میں لکھا ہے

"كتبه عثمان بن عفان" کہ اس قرآن کریم کو حضرت عثمانؓ نے لکھا ہے۔ اس پر بعض عثمانی، صفوی اور مغل حکمرانوں کی مہریں بھی ہیں جن کے پاس باری باری یہ قرآن کریم رہا ہے اور پھر مغل دور کے اختتام پر انگریزوں نے وہاں سے لندن منتقل کر دیا تھا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ چودہ سو سال قبل لکھے جانے والے اصل نسخے موجود ہیں اور آج مراکش سے انڈونیشیا تک کسی مسلم مطبع کا چھپا ہوا قرآن کریم لے کر تقابل کر لیں آپ کو کوئی فرق نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اسی اعجاز کا ذکر کر رہے ہیں اور مشرکینِ مکہ سے پوچھ رہے ہیں کہ اتنے بڑے معجزہ کے بعد اور کون سی نشانی مانگتے ہو؟

ظہورِ اسلام کا تقاضا

ان آیاتِ کریمہ کے بارے میں ایک روایت بھی آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں جو امام سیوطیؒ نے مسند دارمی کے حوالے سے "لباب النقول فی اسباب النزول" میں نقل کی ہے کہ مدینہ منورہ میں جہاں مسلمانوں کے ساتھ یہودی اور بت پرست بھی رہتے تھے اور مخلوط معاشرہ اور شہر داری تھی، اس لیے سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے، خوشی غمی کی محفلوں میں اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کی باتیں بھی سنتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ صحابہ کرامؓ یہودیوں سے پرانے دور کی اور انبیاء سابقینؑ کی کوئی بات سنتے تو آپس میں بھی اس پر بحث و گفتگو کرتے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بعض صحابہ کرامؓ کو اونٹ کے کولہے کی ایک ہڈی ملی جس پر تورات کے کچھ احکام درج تھے۔ اس زمانہ میں کاغذ عام نہیں ہوتا تھا اور زیادہ تر ہڈیاں، چوڑے پتھر، بڑے پتے اور درخت کی چھال وغیرہ لکھنے پڑھنے کے کام آتے تھے۔ اونٹ کے کولہے کی ہڈی کو اس دور کا تختہ سیاہ سمجھ لیں۔ وہ حضرات اسے اٹھا کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، خیال ہوگا کہ حضورؐ خوش ہوں گے مگر آپؐ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور مسند دارمی کی روایت کے مطابق ارشاد فرمایا کہ "كفى بقوم ضلالة ان يرغبوا عما جاء به نبيهم الى ما جاء به غيره الى غيرهم او كما قال صلى الله عليه وسلم"۔ یہ روایت امام ابن جریرؒ نے تفسیر طبری میں بھی نقل کی ہے اور اس ارشاد نبویؐ کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی قوم کے گمراہ ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی ہدایات و تعلیمات کی بجائے دوسروں کی تعلیمات کی طرف توجہ دینا شروع کر دے۔ اس کا محاورہ کا

ترجمہ میں یوں کرتا ہوں کہ جب کوئی امت اپنے پیغمبر کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے دوسروں کی طرف دیکھنا شروع کر دے تو اس کی گمراہی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ فرما کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی

''کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ پر ہم نے کتاب اتاری ہے جو اُن پر تلاوت کی جاتی ہے، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے''۔

گویا اس آیت کریمہ میں جہاں کافروں کے لیے یہ پیغام ہے کہ قرآن کریم کے آجانے کے بعد اور کسی نشانی اور معجزہ کا مطالبہ معقولیت کی بات نہیں ہے، وہاں ہم مسلمانوں کے لیے بھی اس میں پیغام ہے کہ قرآن کریم اور جناب نبی اکرمؐ کی سنت کے ہوتے ہوئے راہنمائی کے لیے کسی اور طرف دیکھنا گمراہی ہے۔ اور آج ہم دنیا بھر کے مسلمان اپنی حالت پر غور کریں تو یہی گمراہی ہم پر مسلط ہے کہ قرآن کریم ہمارے گھروں میں ہے، زبانوں پر ہے اور سینوں میں ہے۔ اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت سے ہماری الماریاں بھری ہوئی ہیں مگر ہم اپنے اجتماعی معاملات میں راہنمائی کے لیے ادھر ادھر جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ کبھی ماسکو کی طرف دیکھتے ہیں، کبھی واشنگٹن کی طرف دیکھتے ہیں، کبھی لندن کا رخ کر لیتے ہیں، کبھی بیجنگ کی طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں، اور کبھی پیرس سے راہنمائی کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ گمراہی ہے اور جب تک اس گمراہی سے نجات حاصل کر کے ہم قرآن و سنت کی تعلیمات پر قناعت نہیں کریں گے اور انہیں سینے سے نہیں لگائیں گے ہدایت اور کامیابی کی منزل کی طرف گامزن نہیں ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

انسانی حقوق اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۳ جولائی ۲۰۰۰ء کو محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام
ڈسٹرکٹ کونسل ہال، گوجرانوالہ میں خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ سب سے پہلے محکمہ اوقاف پنجاب کا شکر گزار ہوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کے حوالہ سے منعقد ہونے والی اس تقریب میں شرکت اور آپ حضرات سے گفتگو کا موقع فراہم کیا۔

سیرتِ نبویؐ کا چمنستان اور ہمارا طرزِ عمل

سیرتِ نبویؐ پر گفتگو کرنے والا اپنی بات شروع کرنے سے پہلے اس الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس وسیع و عریض چمنستان کے سدا بہار پھولوں میں سے کس کا انتخاب کرے اور کسے چھوڑے، کیونکہ اس باغ کے ہر پھول کی خوشبو نرالی ہے اور کسی ایک کو چھوڑ کر آگے نکل جانے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی کشمکش میں، میں نے آج کے دور میں زیر بحث آنے والے سب سے بڑے موضوع کے حوالہ سے سیرتِ طیبہ کے صرف ایک پہلو پر کچھ عرض کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ ہے ”انسانی حقوق“ کا موضوع جو آج کا سب سے اہم عنوان ہے اور دنیا بھر میں اس پر گفتگو اور بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف اور شفاف سیرتِ مبارکہ کو ہم نہ آج کی دنیا کے سامنے تحریر و تقریر کی صورت میں صحیح طور پر پیش کر رہے ہیں اور نہ ہی ہماری عملی زندگی میں اس کی کوئی جھلک پائی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خود ہم مسلمانوں کا وجود اسلامی تعلیمات اور جناب رسول اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ تک نسلِ انسانی کی رسائی میں رکاوٹ اور حجاب بن کر رہ گیا ہے۔

انسانی حقوق اور مغرب کا دعویٰ

بہر حال آج کی دنیا کا سب سے اہم موضوع ''انسانی حقوق'' ہے اور مغرب آج کی نسلِ انسانی کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ اس نے انسانوں کو حقوق کا شعور بخشا اور ان کے حقوق کا تعین کیا ہے، لیکن تاریخ کے میزان پر یہ بات درست ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے عنوان سے حقوق کا جو تعارف اور تفصیلات قرآن کریم میں چودہ سو برس پہلے سامنے آچکی ہیں، آج کا کوئی نظام خدا اور اس کے بندوں کے درمیان، اور پھر خود انسانوں کے باہمی حقوق کے بارے میں اس طرح کا جامع تصور اور نظام پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جنابِ سرورِ کائناتؐ کی سیرتِ طیبہ میں بے شمار واقعات ہیں جن میں آنحضرتؐ نے انسانوں بلکہ جانوروں تک کے حقوق کی وضاحت کی ہے، ان کی ادائیگی کی تلقین کی ہے اور اپنے حقوق کی پاسداری کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ آج کی مجلس میں انہی میں سے چند واقعات کا تذکرہ کرنا چاہ رہا ہوں۔

جانوروں کی دادرسی

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہؐ ایک دفعہ مدینہ منورہ کے کسی باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک کمزور اور لاغر سا اونٹ کھڑا تھا، رسول اکرمؐ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ اپنی زبان میں کچھ شکایت کرنے لگا۔ نبی کریمؐ نے دریافت کیا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا کہ یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ اس پر آپؐ نے اسے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس جاندار کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر فرمایا کہ اس اونٹ نے تمہارے بارے میں دو شکایتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے کام اس کی ہمت سے زیادہ لیتے ہو، اور دوسری یہ کہ اسے اس کی ضرورت کے مطابق خوراک نہیں دیتے۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے، اس پر ہمت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور ضرورت کے مطابق خوراک مہیا کرو۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ جناب نبی اکرمؐ نے نہ صرف انسانوں کے بلکہ جانوروں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور ان میں کوتاہی کو ظلم قرار دیا ہے۔

مالک کے حق کا خیال

ابوداؤد شریف ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پیدل کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے، ایک صحابیؓ نے جو گدھے پر سوار تھے، دیکھا تو حضورؐ کے پاس آکر آپ سے درخواست کی کہ اس کے ساتھ گدھے پر سوار ہو جائیں۔ یہ کہہ کر وہ صحابی گدھے پر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے تاکہ نبی اکرم ان سے آگے بیٹھ جائیں۔ مگر جناب رسول اکرمؐ نے یہ کہہ کر آگے بیٹھنے سے احتراز فرمایا کہ ''صاحب الدابة احق بصدرها'' جانور کا مالک آگے بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔ صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بخوشی اپنے اس حق سے دستبردار ہوتا ہوں تو اس کے بعد آپؐ گدھے پر اس کے آگے بیٹھ گئے۔ یہ بات بظاہر ایک عام اور معمولی سی لگتی ہے لیکن اس میں نبی کریمؐ کی یہ سنت اور تعلیم موجود ہے کہ باہمی حقوق کا احترام کس قدر ضروری ہے اور حقوق کے بارے میں بڑے چھوٹے کی کوئی ترجیح نہیں ہے۔

بچے کے حق کا لحاظ

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ تشریف فرما تھے، آپ کے دائیں جانب حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے تھے اور بائیں جانب حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ ان کی حقیقی خالہ تھیں، اس لیے دونوں آنحضرتؐ کے بھانجے بھی لگتے تھے۔ اس مجلس میں جناب نبی اکرمؐ کی خدمت میں کوئی مشروب پیش کیا گیا جو آپؐ نے نوش فرمایا جس کا کچھ حصہ بچ گیا تو وہ بائیں جانب بیٹھے ہوئے حضرت خالد بن ولیدؓ کو دینا چاہا جبکہ یہ حق دائیں جانب والے کا بنتا تھا جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے، جو اگرچہ چھوٹے بچے تھے اس لیے کہ رسول اکرمؐ کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ نے ان سے اجازت مانگی اور پوچھا کہ تم اجازت دو تو یہ بچا ہوا مشروب بائیں جانب والے کو دے دوں؟ مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ کہہ کر اجازت دینے سے انکار کر دیا کہ میں آپ کے تبرک کے بارے میں خود پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ یہ جواب سن کر حضورؐ نے پیالہ انہی کو دیا لیکن روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''تله في يده'' پیالہ زور سے ان کے ہاتھ میں تھما دیا جس کے بارے میں شارحین

کہتے ہیں کہ اس انداز میں ناگواری کا پہلو جھلکتا تھا۔

اس واقعہ پر غور کر کے نتیجہ اخذ کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جی بائیں جانب پیالہ دینے کو چاہتا تھا لیکن جس کا حق تھا اس سے اجازت مانگنا ضروری سمجھا، اور اجازت نہ دینے پر اگرچہ ناگواری بھی ہوئی مگر پیالہ دیا اسی کو جس کا حق تھا خواہ وہ چھوٹا بچہ ہی تھا۔ اس سے زیادہ دوسرے کے حق کے احترام اور اپنے حق کے لیے اڑ جانے کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

عورت کی رائے کا احترام

یہ واقعہ بھی بخاری شریف میں مذکور ہے اور اس کی تفصیلات حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی خرید کر آزاد کر دی جس کا نام بریرہؓ تھا۔ وہ لونڈی ہونے کی حالت میں مغیثؓ نامی ایک نوجوان کے نکاح میں تھی۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر لونڈی کا اس کے مالک نے کسی سے نکاح کر دیا ہو اور اس کے بعد کسی مرحلہ پر وہ لونڈی آزاد ہو جائے تو اسے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔ بریرہؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اس لیے اس نے اپنا یہ حق استعمال کرتے ہوئے مغیثؓ سے علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مغیثؓ کو پتہ چلا تو بہت پریشان ہوا کہ اچھا خاصا گھر اجڑ رہا ہے۔ اس نے مختلف طریقوں سے بریرہؓ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ فیصلے پر نظر ثانی کر لے مگر بریرہؓ نے کوئی بات سننے سے انکار کر دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ مغیثؓ کی پریشانی اس حالت تک پہنچ گئی کہ وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں دیوانہ وار آنسو بہاتا پھرتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ خدا کے لیے کوئی بریرہؓ کو اس فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے آمادہ کرے۔ حتیٰ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کے سامنے اس تعجب کا اظہار کیا کہ اس کی محبت دیکھو کہ وہ گلیوں میں آنسو بہاتا پھر رہا ہے اور بریرہؓ کی نفرت دیکھو کہ وہ اس کا نام سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

یہ صورتحال دیکھ کر خود جناب نبی اکرمؐ نے بریرہؓ سے مغیثؓ کی سفارش کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے بلا کر اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی بات سن کر بریرہؓ نے ایک سوال کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حکم ہے یا محض سفارش؟ سوال پوچھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ

مومنہ تھی اور صحابیہؓ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر حکم ہوا تو اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمادیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی بات کا حکم دے دیں تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کا یہ حق باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ اس کے بعد اپنا اختیار استعمال کریں۔ اس لیے بریرہؓ نے اس کی وضاحت چاہی اور جب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ یہ حکم نہیں بلکہ صرف سفارش ہے، تو اس نے فوراً کہہ دیا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

آپ غور فرمائیے کہ سفارش کرنے والے کون ہیں؟ کائنات میں اس سے بڑی اور کوئی سفارش نہیں ہو سکتی۔ لیکن اپنے حق پر اڑتے ہوئے اس سفارش کو قبول نہ کرنے والی کون ہے؟ ایک عام خاتون جو چند روز پہلے تک کسی کی لونڈی تھی اور اب خود جناب نبی کریمؐ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خادمہ ہے۔ لیکن کیا مجال کہ اس کے اس فیصلے پر آنحضرتؐ کی پیشانی پر کوئی بل آیا ہو، یا آپؐ نے اس کے بعد اسے کبھی جتلایا بھی ہو۔ حالانکہ وہ بطور خادمہ اکثر حضرت عائشہؓ کے پاس ہی رہتی تھی۔ آج ہمارا کوئی ماتحت ہماری سفارش رد کر کے دیکھے کہ پھر اس کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہوتا ہے، لیکن جناب رسول اکرمؐ نے اس کے بعد کبھی اس کا ذکر تک نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے نہ صرف حقوق کا تعین کیا ہے، ان کی وضاحت کی ہے اور ان کی ادائیگی کی تلقین کی ہے، بلکہ اپنے حق کے لیے اڑ جانے والے کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے اور کسی کو اس کی راہ میں حائل ہونے کی اجازت نہیں دی۔

حضرات محترم! یہ چند واقعات میں نے انسانی حقوق کے حوالہ سے جناب رسول اکرمؐ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے عرض کیے ہیں، اور آخر میں پھر یہی عرض کرتا ہوں کہ یہ آج کی دنیا کی ضرورت ہے اور ہماری ذمہ داری ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ کو دنیائے انسانیت کے سامنے صحیح طور پر پیش کرنے کے لیے ہم سنجیدگی کے ساتھ محنت کریں کیونکہ آج نسلِ انسانی کو جو مشکلات اور مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسی میں ہے۔

دیارِ مغرب کے مسلمانوں کے لیے اسوۂ نبوی ﷺ

سانحہ گیارہ ستمبر کے بعد مانچسٹر برطانیہ میں ایک اجتماع سے خطاب۔
روزنامہ اوصاف اسلام آباد، ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۱ء

......چوتھی گزارش ان مسلمانوں سے ہے جو برطانیہ میں اور مغرب کے دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں۔ یہاں کے مسلمان اکثر یہ دریافت کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں جبکہ پورا عالمِ اسلام حالتِ جنگ میں ہے، ان کی شرعی ذمہ داری کیا ہے اور وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے فریضے سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ یہ بہت حساس اور نازک مسئلہ ہے اور اس کے ہر پہلو پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔

غزوۂ بدر سے راہنمائی

اس سلسلے میں ایک بات کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہوں گا کہ اسلامی تاریخ میں جنگِ بدر سے زیادہ نازک معرکہ کبھی نہیں ہوا۔ جس میں ایک طرف خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کی کمان کر رہے ہیں، اور دوسری طرف آپؐ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل قریش کے لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ اسلامی لشکر کی حالت یہ تھی کہ چھوٹے بڑے سب ملا کر ۳۱۳ بنتے تھے۔ اور حالات کی نزاکت کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ جناب نبی اکرمؐ رات کو سجدے میں سر رکھ کر آنسو بہاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان الفاظ میں التجا فرما رہے ہیں کہ یا اللہ! یہ چند افراد میری زندگی بھر کی کمائی ہے، اگر یہ لٹ گئی تو قیامت تک اس زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

اس وقت نبی کریمؐ کو ایک ایک شخص کی ضرورت تھی، لیکن صحابہ کرامؓ میں سے چار بزرگ ایسے ہیں جو موجود اور تندرست ہوتے ہوئے بھی بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے، اور سب کے شریک نہ

ہونے کی وجوہ مختلف تھیں:

- ان میں سے حضرت عثمانؓ کو تو خود جناب نبی اکرمؐ نے جنگ میں شرکت سے روک دیا۔ ان کی اہلیہ اور جناب نبی اکرمؐ کی بیٹی حضرت رقیہ بیمار تھیں اور گھر میں اکیلی تھیں۔ ان کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں تھا اور وہ خود اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں، اس لیے حضرت عثمانؓ کی خواہش کے باوجود آنحضرتؐ نے انہیں غزوۂ بدر میں شرکت سے حکماً روک دیا اور وہ مدینہ منورہ میں موجود ہوتے ہوئے بھی بدر کے معرکے میں شریک نہ ہو سکے۔
- حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور ان کے والد محترم دونوں جناب نبی اکرمؐ کے پاس آ رہے تھے کہ راستے میں کافروں نے پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ آپ دونوں ہمارے خلاف جنگ میں حضرت محمدؐ کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔ کفار کی قید سے رہا ہو کر دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کر دیا۔ اس پر آپؐ نے انہیں یہ کہہ کر جنگ میں شرکت سے روک دیا کہ چونکہ آپ دونوں نے کفار کی یہ شرط منظور کر لی تھی، اس لیے آپ ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ چنانچہ دونوں باپ بیٹا موجود ہوتے ہوئے بھی غزوۂ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔
- حضرت سلمان فارسیؓ جناب نبی اکرمؐ کی خدمت میں اس وقت آئے تھے جب آنحضرتؐ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے ابھی قبا میں مقیم تھے اور مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے۔ اسی دور میں حضرت سلمان فارسیؓ مسلمان ہوئے، لیکن مدینہ منورہ میں موجود ہوتے ہوئے بھی بدر واحد کے معرکوں میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک یہودی خاندان کے غلام تھے اور اپنے فیصلوں میں آزادی اور خود مختاری نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب سے قبل وہ آزاد ہوئے تو اس غزوہ میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ خندق بھی انہی کے مشورے سے کھودی گئی تھی۔

اسلام میں لوگوں کے احوال وظروف کا لحاظ

ان واقعات کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاد فرض ہے، لیکن اسلام نے لوگوں کی

مجبوریوں، احوال و ظروف اور ضروریات کے مختلف دائروں کا لحاظ رکھا ہے اور انہیں اپنے اپنے درجے میں تسلیم کیا ہے۔ اس لیے میں یہ گزارش کروں گا کہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی جو مجبوریاں ہیں، ان کے جو معاملات ہیں اور جن شرائط وقیود کے ساتھ وہ ان ممالک میں رہ رہے ہیں، ان کو ملحوظ رکھنا بھی شریعت کا تقاضا ہے۔ اس بنیاد پر میری استدعا ہے کہ مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان اپنے اپنے ملک کے قانون اور دستور سے بغاوت کا راستہ اختیار نہ کریں اور قانون شکنی سے ہر صورت میں گریز کریں، البتہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کی حمایت اور امداد کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں، اس سے گریز نہ کریں۔

رسول اکرم ﷺ کی دس نصیحتیں

ایک دینی محفل میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دس نصائح کا قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ ہوا جو آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو فرمائی تھیں۔ محفل میں شریک ایک دوست نے خواہش کا اظہار کیا کہ ان نصائح اور ان کے حوالہ سے کی گئی گزارشات کو ضبطِ تحریر میں بھی آنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال سے انہیں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے اور صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی اسے نقل کیا ہے کہ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی بطور خاص نصیحت فرمائی، جو یہ ہیں:

اللہ کی وحدانیت کا اقرار

(۱) ’’اے معاذ! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تجھے جلا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔‘‘

شرک سب گناہوں سے بڑا گناہ اور سب نافرمانیوں سے بڑی نافرمانی ہے جو اللہ تعالیٰ کو کسی حالت میں گوارا نہیں ہے۔ جناب نبی اکرمؐ اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا اولین نکتہ یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور افعال میں کسی اور کو شریک نہ مانا جائے۔ حتیٰ کہ اگر کسی موقع پر ایک مسلمان کو شرک اور قتل میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑے تو اس کے لیے عزیمت کا راستہ یہی ہے کہ وہ قتل ہونا قبول کر لے مگر اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کرے۔

ماں باپ کی فرمانبرداری

(۲) ’’ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگرچہ وہ تجھے گھر بار چھوڑ دینے کا حکم دیں۔‘‘

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے متعدّد مقامات پر اپنی توحید اور بندگی کے ساتھ ماں باپ کی

فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے جس کی وجہ مفسرین کرامؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس سب سے بڑی دولت اور نعمت اس کی زندگی ہے، اور زندگی دینے والا خدا ہے، مگر انسان کے وجود اور زندگی کا ظاہری ذریعہ ماں باپ ہیں۔ اس لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کا شکرگزار رہنا ضروری ہے اسی طرح ماں باپ کی شکرگزاری بھی واجب ہے، اور ماں باپ کا حق یہ ہے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی واضح حکم کی خلاف ورزی کی بات نہ کریں، ان کے حکم کو ماننا شرعًا ضروری ہے۔

فرض نماز کی پابندی

(۳) "فرض نماز عمدًا ہرگز ترک نہ کرنا کیونکہ جس نے فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے اٹھ گیا۔"

ہر مسلمان مرد اور عورت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں جن کو بلاعذر ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور اگر کوئی فرض نماز رہ گئی ہے تو جب تک اس کی قضا نہیں کرے گا اور توبہ استغفار نہیں کرے گا یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان کو نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔ جو مسلمان نمازوں کی پابندی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کی نگرانی اور حفاظت میں آجاتا ہے، اور جب کوئی شخص جان بوجھ کر فرض نماز ترک کرتا ہے تو یہ حفاظت اس سے اٹھ جاتی ہے۔

نشے کی ممانعت

(۴) "شراب ہرگز نہ پینا اس لیے کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے۔"

شراب کو قرآن کریم نے "گندگی" کہا ہے اور جناب نبی اکرمؐ نے "ام الخبائث" قرار دیا ہے۔ شراب اسلام میں حرام ہے اور شراب کی طرح ہر وہ چیز حرام ہے جو نشہ دیتی ہے۔ جناب نبی اکرمؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ نشہ دینے والی ہر چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسی گندگی سے خود کو دور رکھے اور شراب سمیت نشہ والی کوئی چیز استعمال نہ کرے۔

احکامِ الٰہی کی پیروی

(۵) ''نافرمانی سے بچ کر رہنا اس لیے کہ نافرمانی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنتی ہے۔''

یہاں نافرمانی سے مراد کسی انسان کا وہ عمومی رویہ ہے جو وہ احکامِ الٰہی کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔ کسی فریضہ میں اچانک کوتاہی ہوگئی ہے یا کسی شرعی حکم پر عمل نہیں ہوسکا تو یہ گناہ کی بات ہے اور اس کی تلافی اور معافی کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن شرعی احکام کے بارے میں کسی کا عمومی طرزِ عمل ہی یہ ہوگیا ہے کہ نہ ماننے اور عمل نہ کرنے کا مزاج بن گیا تو ایسا شخص ''نافرمان'' کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ اس لیے ہم سب کو اپنے عمومی طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے کہ قرآن وسنت کے احکام اور ہدایات کے حوالہ سے ہمارا رویہ کیا ہے اور ایسے طرزِ عمل سے گریز کرنا چاہیے جس پر نافرمانی کا اطلاق ہوسکے۔

میدانِ جنگ کی ثابت قدمی

(۶) ''میدانِ جنگ سے فرار اختیار نہ کرنا اگرچہ لوگ ہلاک ہو رہے ہوں۔''

جہاد اور اس میں ثابت قدمی دینی تقاضوں اور فرائض میں سے ہے، اور میدانِ جہاد میں دشمن سے لڑتے ہوئے موت کے خوف سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے جس کی قرآن کریم نے مذمت کی ہے۔ اس لیے کہ موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو اپنے وقت پر ہر حالت میں آکر رہے گی، اور جہاد سے بھاگنا دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھاگنا ہے جو شدید ترین نافرمانی ہے۔ البتہ جنگی حکمت کے تحت جگہ بدلنا اور عسکری ضرورت کے تحت پیچھے ہٹنا اس میں شامل نہیں ہے۔

تقدیرِ الٰہی پر صبر و شکر

(۷) ''جب کسی جگہ موت کی وبا ہو اور تم وہاں ہو تو ثابت قدم رہو۔''

شرعی مسئلہ یہ ہے اور جناب نبی اکرمؐ کی ہدایت ہے کہ اگر کسی جگہ ایسی وبا پھیل جائے کہ عام موتیں ہو رہی ہوں مثلاً ہیضہ اور طاعون وغیرہ، تو وہاں رہنے والوں میں سے کوئی باہر نہ جائے، اور نہ ہی باہر سے کوئی وہاں جائے۔ اس پس منظر میں نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر ایسی صورتحال پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر پر صابر و شاکر رہتے ہوئے وہاں سے فرار اختیار نہ کیا جائے۔

زیر کفالت افراد کی ضروریات کا خیال

(۸)اہل و عیال پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔

گھر کے سربراہ پر اہل و عیال کی کفالت کی ذمہ داری ہے اور بیوی بچوں اور زیر کفالت افراد کے اخراجات اس کا ذمہ ہیں۔ لیکن اس کے لیے ہدایت یہ ہے کہ اس کی مالی حیثیت کے مطابق ہوں، اگر وہ اپنی حیثیت اور وسعت سے کم خرچ کرتا ہے اور ضروریات فراہم نہیں کرتا تو وہ بیوی بچوں کی حق تلفی کر رہا ہے۔ اور اگر بیوی بچے اس کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ کا اس سے مطالبہ کرتے ہیں تو وہ اس کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں۔ اسلام نے اس بارے میں حقیقت پسندی اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے ہاں عام طور پر اس سلسلہ میں کوتاہی ہوتی ہے جس سے خاندان اور معاشرت کے نظام میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اگر ہم سب اپنے اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے مطابق میانہ روی اور توازن اختیار کریں تو بے شمار مسائل سے خود بخود جان چھوٹ جائے۔

گھریلو نظم کا قیام

(۹)”گھر والوں سے اپنے ادب کا ڈنڈا نہ اٹھاؤ۔“

یہ محاورہ کی زبان میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ گھر کے سربراہ کی حیثیت سے اس کا رعب گھر کے ماحول میں قائم رہنا چاہیے تاکہ گھر کا نظام صحیح طریقہ سے چلتا رہے اور کوئی خرابی نظر آئے تو وہ اس کی اصلاح کر سکے۔ ضروری نہیں کہ ڈنڈا ہاتھ میں لے کر گھر والوں پر برساتا ہی رہے، اصل مقصد گھر کے نظام کا کنٹرول اور اس کے ذریعے خرابیوں کی اصلاح اور نظام کو صحیح طور پر چلانا ہے، جو حکمت و دانش اور محبت و اعتماد کی فضا میں زیادہ مؤثر طریقہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ یہ ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کسی بیوی، بچے حتیٰ کہ خادم پر بھی کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا اور محبت و اعتماد کے ساتھ گھر کے نظام کو کنٹرول میں رکھا ہے۔ البتہ کبھی اشد مجبوری ہو اور اصلاح کے دیگر ذرائع ناکام ہو جائیں تو بقدرِ ضرورت ڈنڈے کے استعمال کی بھی گنجائش موجود ہے۔

عقائد و اعمال اور تعلیم و تربیت کی نگرانی

(۱۰) ”اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات میں ڈراتے رہو۔

یعنی بیوی بچوں اور زیر کفالت افراد کے بارے میں گھر کے سربراہ کی صرف یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان کو کھلائے پلائے اور ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرے۔ بلکہ یہ بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے کہ ان کی دینی تعلیم و تربیت، اخلاق و عادات کی اصلاح اور ایمان و عقیدہ کی درستگی و پختگی کا خیال رکھے۔ کیونکہ اگر گھر کے سربراہ کی غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے گھر کے افراد دین سے دور رہیں گے، ان کے عقائد خراب ہوں گے، اعمال و عبادات میں کوتاہی ہوگی اور اخلاق و عادت میں بگاڑ ہوگا تو ان کے گناہ اور ذمہ داری میں وہ بھی شریک شمار ہوگا۔ اس لیے اس طرف بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

آنحضرت ﷺ کی معاشرتی حیثیات

۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو قصبہ دیرائی، ضلع سونام گنج، بنگلہ دیش میں
ائمہ وعلماء کانفرنس سے خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ علماء کرام کے بارے میں ایک حدیثِ نبویؑ کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، جبکہ ائمہ جس مصلے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں اسے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ سمجھا جاتا ہے، اور جس منبر پر خطبہ دیتے ہیں اسے منبرِ رسولؐ کے عنوان سے پکارا جاتا ہے۔ اس حوالے سے علماء اور ائمہ اس معاشرہ میں جناب نبی اکرمؐ کی نیابت اور نمائندگی کے منصب پر فائز ہیں، اور ہمیں اس منصب کی ذمہ داریوں اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جائزہ لینا چاہیے کہ ہم ان ذمہ داریوں کو کہاں تک ادا کر رہے ہیں؟

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیات میں سے اس وقت تین چار امتیازی امور کا تذکرہ کرنا چاہوں گا تاکہ ہم یہ دیکھ سکیں کہ ہم لوگ، جو علماء کرام کہلاتے ہیں اور امامت کے منصب پر فائز ہیں، اپنے فرائض کی انجام دہی میں کہاں تک کامیاب ہیں؟

رفاہی کارکن کی حیثیت

احادیثِ نبوی کے مطابق غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول کے بعد جناب نبی اکرمؐ کا جو سب سے پہلا تعارف روایات میں ملتا ہے، ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور حوصلہ دیتے ہوئے ان کا وہ معاشرتی رول اور کردار یاد دلایا تھا جسے ایک سوشل ورکر کا کردار کہا جاتا ہے۔

جناب نبی اکرمؐ غارِ حرا میں پہلی وحی کے اچانک واقعہ کی وجہ سے گھبراہٹ کا شکار تھے جس پر ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں، اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا سہارا بنتے ہیں، بیواؤں کے کام آتے ہیں، محتاجوں کی مدد کرتے ہیں اور مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

غارِ حرا کی وحی کے بعد ہمیں احادیثِ نبوی میں جناب نبی اکرمؐ کا پہلا تعارف یہی ملتا ہے، اور ہمیں آنحضرتؐ کی نیابت اور نمائندگی کی بات کرتے ہوئے اس بات کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے کہ اس حیثیت سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا نمائندگی کر رہے ہیں؟

داعی اور مصلح کی حیثیت

اس کے بعد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا تعارف ایک داعی اور مصلح کا ہے۔ آپ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور معاشرہ میں ہر طرف پھیلی ہوئی ان برائیوں کے خلاف آواز بلند کی جن کی وجہ سے وہ معاشرہ جاہلی معاشرہ کہلاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار اور اس کی بندگی کی دعوت تو آنحضرتؐ کی سب سے بڑی دعوت تھی، لیکن اس کے ساتھ آپ نے عرب معاشرے کو جن باتوں کی طرف توجہ دلائی، ان کا تذکرہ قیصر روم کے دربار میں نبی اکرمؐ کے اس وقت کے سب سے بڑے حریف حضرت ابوسفیانؓ نے ان الفاظ سے کیا تھا کہ وہ ہمیں صدق، صلہ اور عفاف کا حکم دیتے ہیں۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف قریش کی قیادت کر رہے تھے، لیکن انہیں دنیا کے ایک بڑے بادشاہ کے دربار میں یہ کہنا پڑا کہ جناب نبی اکرمؐ کی دعوت کا ایک بڑا حصہ یہ ہے کہ لوگ سچ بولیں، آپس کے تعلقات اور روابط کو قائم رکھیں اور پاک دامنی اختیار کریں۔

عرب معاشرے میں اس وقت پھیلی ہوئی باہمی رقابتوں، بدکاری اور جھوٹ کے ماحول میں یہ معاشرتی اصلاح کی بہت بڑی دعوت تھی جس سے نبی کریمؐ عرب معاشرہ میں ایک عظیم داعی اور مصلح کے طور پر سامنے آئے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی اور نیابت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ بھی سوچنا ہوگا کہ جس معاشرہ میں ہم رہ رہے ہیں، اس میں داعی اور مصلح کے طور پر ہمارا کردار کیا ہے، اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے، نیز معاشرتی برائیوں سے سوسائٹی کو نجات دلانے کے لیے ہم

کیا کر رہے ہیں؟

معلّم کی حیثیت

اس کے بعد جناب نبی اکرمؐ کے عظیم کردار کا ایک اور رخ سامنے آتا ہے اور وہ ان کی معلّم کی حیثیت ہے، جسے قرآن کریم نے کئی جگہ بیان کیا ہے اور خود آپؐ نے فرمایا کہ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اردگرد رہنے والوں کو اور اپنے پاس آنے والوں کو براہ راست اور ان کے ذریعے سے مختلف اطراف کے لوگوں کو جن باتوں کی تعلیم دی، ان کا دائرہ بہت متنوع اور وسیع ہے۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، آپ علماء کرام ہیں، خوب جانتے ہیں۔ البتہ میں اس طرف ضرور توجہ دلانا چاہوں گا کہ جناب نبی اکرمؐ کے معلّم کے کردار کو سامنے رکھ کر ہم اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں کہ جس ماحول میں ہم رہتے ہیں، وہاں کے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ ایک معلم کی حیثیت سے ہمارا کیا رابطہ ہے؟

اگر گستاخی معاف فرمائیں تو میں عرض کرنا چاہوں گا کہ جو لوگ مسجد میں ہمارے پاس آجاتے ہیں اور مدرسہ میں ہم سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں، ان پر تھوڑی بہت محنت کر کے ہم مطمئن ہیں کہ ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے ان افراد پر قناعت کر لی ہے اور ان کے علاوہ باقی لوگوں سے رابطہ اور تعلق کی ہمیں کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔ میری درخواست ہے کہ مسجد اور مدرسہ میں ہمارے پاس آنے والوں کا معاشرہ کے باقی افراد کے ساتھ عددی تناسب ہمیں ضرور معلوم کرنا چاہیے، اور پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ماحول اور آبادی کی وہ عظیم اکثریت جس کا ہمارے ساتھ مسجد یا مدرسہ کا کوئی رابطہ نہیں ہے، اس کے ساتھ ایک مصلح اور معلم کے طور پر ہمارا کیا معاملہ ہے؟ یہ بات سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ہے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز یہی لوگ ہمارا گریبان پکڑ لیں کہ ہماری اصلاح اور تعلیم کے لیے ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

ہمہ جہت معاشرتی کردار

جناب نبی اکرمؐ کے معاشرتی کردار کی اور بھی بہت سی حیثیات ہیں۔ آپ حکمران بھی تھے، کمانڈر بھی تھے اور قاضی بھی تھے، لیکن میں سرِدست سوشل ورکر، داعی، مصلح اور معلم کی حیثیات کو پیش نظر

رکھتے ہوئے علماء کرام اور ائمہ عظام کو غور وفکر کی دعوت دینا چاہتا ہوں کہ ان معاملات میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا نیابت کر رہے ہیں اور آپؐ کے وارث ہونے کا حق کہاں تک ادا کر رہے ہیں؟ معاف کیجیے! ہم نے صرف نماز پڑھا دینے اور اپنے پاس آجانے والوں کو تھوڑی بہت تعلیم دینے پر قناعت کر لی ہے اور اسے رسول اکرمؐ کی وراثت، نیابت اور نمائندگی سمجھ لیا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے اور ہمیں اس حوالے سے اپنے کردار، طرزِ عمل اور ترجیحات کا از سرِ نو جائزہ لینا چاہیے۔

خود احتسابی کی قرآنی ہدایت

دوسری بات جس کی طرف ائمہ اور علماء کی اس کانفرنس کے شرکاء کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے احتساب اور اپنی سرگرمیوں کے ناقدانہ جائزہ کی ضرورت محسوس کرنی چاہیے۔ ہمارے ہاں اس بات کو نہ صرف غیر ضروری سمجھا جاتا ہے بلکہ معیوب قرار دیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے۔ مثلاً بعض دوست جب یہ بات کرتے ہیں کہ طالبان ہمارے بھائی ہیں، بہت نیک ہیں، مخلص ہیں اور انہوں نے قربانی اور ایثار کی شاندار روایات زندہ کی ہیں، اس لیے ان کی غلطیاں نہیں نکالنی چاہئیں اور ان کے طرزِ عمل کا ناقدانہ جائزہ نہیں لینا چاہیے، تو مجھے تعجب ہوتا ہے اور میں عرض کرتا ہوں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے بہترین اور مقدس طبقہ صحابہ کرامؓ کا گروہ ہے، لیکن جب انہیں غزوۂ احد میں وقتی طور پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور حنین کی لڑائی میں تھوڑی دیر کے لیے ان کے قدم اکھڑے تو قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا اور ان کی ناکامی کا اعتراف کیا، اس کے اسباب بیان کیے، اور ان وجوہ کی نشاندہی کی جن کی وجہ سے انہیں ان دونوں غزووں میں وقتی طور پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس سے حضرات صحابہ کرامؓ کے تقدس اور بزرگی میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ان کے خلوص اور قربانیوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اس لیے قرآن کریم کا اسلوب اور ہدایت ہمارے لیے یہی ہے کہ اگر کسی مرحلہ میں ناکامی ہو تو اس کے اسباب کا جائزہ لو اور وجوہات کی نشاندہی کرو تاکہ ان کے ازالہ کے لیے کوئی صورت نکال سکو۔

علماء کرام وائمہ عظام کے لیے پیغام

اس پس منظر میں آج کی اس ائمہ وعلماء کانفرنس کی وساطت سے میں علماء کرام اور ائمہ عظام کو یہ

پیغام دینا چاہتا ہوں کہ وہ کسی بھی جگہ دینی خدمات سرانجام دے رہے ہوں، دو باتوں کا ہر وقت خیال رکھیں:

۱. ایک یہ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث کہلاتے ہوئے اور آپؐ کے مصلے پر کھڑے ہو کر آپؐ کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہوئے ہمیں اس بات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ انسانی معاشرے میں رسول اکرمؐ نے مختلف حیثیات سے جو عظیم کردار ادا کیا تھا، ہم ان میں سے کس حیثیت کی نمائندگی کر رہے ہیں؟

۲. اور دوسری بات یہ کہ ہم اس وقت کم و بیش ہر محاذ اور ہر شعبہ میں جس پسپائی کا مسلسل شکار ہو رہے ہیں، اس کے اسباب اور وجوہات کیا ہیں؟ کیونکہ اسی صورت میں ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے ورثاء کی حیثیت سے اپنے کردار کو بہتر بنا سکتے ہیں اور جناب نبی اکرمؐ کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

قدرتی آفات اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔ نومبر ۲۰۰۵ء

۸/اکتوبر کے زلزلہ کی شدت اور سنگینی کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے اور ملکی و عالمی سطح پر تمام ممکنہ اور میسر وسائل استعمال کیے جانے کے باوجود نہ تو نقصانات کا پورے طور پر تخمینہ لگایا جا سکا ہے، نہ تمام متاثرہ علاقوں تک رسائی ممکن ہو سکی ہے، اور نہ ہی ملبہ میں دب جانے والے انسانوں کو زندہ یا مردہ وہاں سے نکال لینے کی کوئی صورت قابلِ عمل دکھائی دے رہی ہے۔ امدادی کاروائیاں جاری ہیں اور عالمی برادری، مسلم امہ اور پاکستانی قوم کی بھرپور نمائندگی ان امدادی کاروائیوں میں نظر آ رہی ہے، حکومتِ پاکستان اور پاک فوج پوری طرح مستعد ہیں اور سیاسی و سماجی تنظیمیں بھی سرگرم کردار ادا کر رہی ہیں۔ میڈیا نے دنیا تک اس خوفناک زلزلے کی تباہ کاریوں کی خبریں پہنچانے اور عالمی برادری کو متاثرہ انسانوں کی امداد کی طرف توجہ دلانے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے، اس کے ساتھ تنقید اور اعتراضات کا عمل بھی جاری ہے جو امدادی کام کو صحیح رخ پر اور صحیح رفتار سے آگے بڑھانے کے لیے مہمیز کا کام دے رہا ہے۔

زلزلہ کی تباہ کاریاں اور اربابِ فکر کے سوالات

زلزلہ کی تباہ کاریوں نے کچھ علمی و فکری سوالات بھی کھڑے کر دیے ہیں جن پر بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری ہے، اربابِ فکر و دانش ان پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں اور اس نازک مرحلہ پر قوم کی فکری راہنمائی کے لیے یہ بھی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

۱۔ ہمارے بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ اس زلزلہ کو عذابِ الٰہی سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ اقوام کے لیے عذابِ الٰہی کا سلسلہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا، اور اب چونکہ قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا اس لیے اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر کو جھٹلانے پر اتمامِ حجت کے بعد جو عذاب مختلف قوموں پر آیا کرتا تھا اس کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔ البتہ ان اربابِ دانش کا خیال ہے کہ اس قسم کی قدرتی آفات اب صرف تنبیہ کا درجہ رکھتی ہیں اور انہیں عذابِ الٰہی سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔

۲. بعض دوستوں نے اسے عذاب قرار نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ جن علاقوں میں یہ زلزلہ آیا ہے اور جن لوگوں کی اکثریت اس سے متاثر ہوئی ہے وہ دین سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں، اور ان میں ایسے جرائم اور بغاوت کا ماحول موجود نہیں تھا جسے ”عذابِ الٰہی“ کے نزول کی وجہ قرار دیا جا سکے، اس لیے اس امر پر تردّد کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اس زلزلہ اور اس کی تباہ کاریوں کو قدرت کی طرف سے سزا یا عذاب کی شکل قرار دیا جائے۔

ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں جائزہ

ان سوالات کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو ہمیں ان دونوں سوالوں کا جواب مل جاتا ہے مثلاً:

- ترمذی شریف میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضرور اہتمام کرو گے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب نازل کر لے پھر ایسا بھی ہو گا کہ تم دعائیں کرو گے مگر تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔
- ابوداؤد شریف میں سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جب لوگ معاشرہ میں منکرات کو دیکھیں گے اور انہیں تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو قریب ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عمومی عذاب نازل ہو جائے۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں گے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہیں روکیں گے تو اللہ تعالیٰ کے عمومی عذاب کا شکار ہو سکتے ہیں، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جس قوم میں نافرمانی کے اعمال ہو رہے ہوں اور لوگ انہیں روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکیں

تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عمومی عذاب نازل فرمادیں۔

- ابوداؤد میں حضرت جریر بن عبداللہؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس قوم میں نافرمانی کے اعمال ہوتے ہوں اور وہ لوگ روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود روکنے کی کوشش نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا شکار ہو سکتے ہیں۔
- شرح السنۃ میں حضرت عدی بن عدی کندیؒ سے روایت ہے کہ ان کے دادا محترم نے جناب نبی اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو چند افراد کے گناہوں اور بغاوت پر سزا نہیں دیتے لیکن جب یہ کیفیت ہو جائے کہ گناہ اور نافرمانی کے اعمال کھلے بندوں ہو رہے ہوں اور دوسرے لوگ روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ روک رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ عام و خاص لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔
- ابوداؤد میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میری یہ امت مرحومہ ہے اس کے لیے آخرت میں عذاب نہیں ہے بلکہ اس کا عذاب دنیا میں ہی ہے اور وہ فتنوں، زلزلوں اور باہمی قتل و قتال کی شکل میں ہوگا۔
- ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ اگر نیک لوگ ہمارے درمیان موجود ہوں تب بھی عمومی عذاب آسکتا ہے؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خباثتوں کی کثرت ہوگی تو ایسا ہی ہوگا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی آفتوں کی صورت میں عذابِ الٰہی کا سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا بلکہ امتِ محمدیہ پر آنے والی اس قسم کی آفات کو خود جناب نبی اکرمؐ نے ''عذاب'' اور ''عقاب'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ البتہ آنحضرتؐ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما رکھا ہے کہ پوری امت مجموعی طور پر ایسے کسی عذاب کا شکار نہیں ہوگی، اور حضورؐ کی امت پر آسمانی عذاب نازل نہ ہونے کی صحیح توجیہ یہی ہے کہ پوری امت بیک وقت کسی آسمانی عذاب کا نشانہ نہیں بنے گی کیونکہ پہلی امتوں پر جب کسی پیغمبر کی تکذیب پر عذاب آتا تھا تو وہ جزوی نہیں ہوتا تھا بلکہ پوری کی پوری قوم اس میں ہلاک ہو جایا کرتی تھی، جناب نبی اکرمؐ کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کو ایسے عذاب سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

قدرتی آفات کے مقابلہ کا عزم؟

اس زلزلے کے حوالہ سے اخبارات میں شائع ہونے والے بعض مضامین اور بیانات میں ایک بات ہمیں یہ کھٹکی ہے کہ بعض بیانات میں قدرتی آفات کا مقابلہ کرنے کا عزم جھلکتا ہے، ممکن ہے مقابلہ کی بات کہنے والوں کا مطلب و مقصد وہ نہ ہو جو اس کے ظاہری مفہوم سے جھلکتا ہے لیکن محسوس ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسے زلزلے کا مقابلہ کرنے کا قصد کیا جا رہا ہے۔ ہمارے خیال میں اس سلسلہ میں احتیاط کی ضرورت ہے اس لیے کہ قدرتی آفات کا مقابلہ نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی کوئی آج تک کسی قدرتی آفت کا مقابلہ کر سکا ہے، اس کی بجائے اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب بات ہوگی کہ ہم اس زلزلے کے نقصانات کا صبر و حوصلہ کے ساتھ سامنا کریں گے اور ان کی تلافی کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ام

المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آسمان پر بادل اور آندھی کے آثار دیکھ کر جناب نبی اکرمؐ پریشان ہو جایا کرتے تھے اور استغفار کی کثرت کر دیتے تھے۔ ایک روز حضرت عائشہؓ نے اس کے بارے میں دریافت کر لیا تو آپؐ نے فرمایا کہ بعض امتوں پر خدا کا عذاب بادل اور آندھی کی صورت میں آیا تھا، اس لیے میں یہ چیزیں دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہوں اور استغفار کثرت سے پڑھنے لگتا ہوں۔ ہمارے لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ یہی ہے کہ قدرتی آفات کا مقابلہ کی بات کرنے کی بجائے اجتماعی طور پر توبہ و استغفار کا راستہ اختیار کریں اور قدرت کی ناراضگی پر پریشانی اور اضطراب کا اظہار کریں، البتہ اس کے ساتھ حوصلہ قائم رکھنے اور صبر کا ماحول پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ قومیں صبر و حوصلہ کے ذریعہ ہی ایسے مراحل میں سرخرو ہوا کرتی ہیں۔

عازمینِ حج کو ایک دانشور کا مشورہ

ایک اور بات جو ایک دانشور دوست کے مضمون میں اس حوالہ سے کھٹکی ہے یہ ہے کہ انہوں نے حاجی حضرات کو مشورہ دیا ہے کہ حج ترک کر کے اس کی رقم زلزلہ سے متاثر ہونے والوں کو دے دیں یا ان کی بحالی کی مد میں خرچ کر دیں۔ نفلی حج یا عمرہ کی صورت میں تو یہ بات درست ہے اور ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں اس لیے کہ نفلی عبادت سے حقوق العباد بہرحال مقدم ہیں، لیکن فرائض و واجبات

کے بارے میں اس بات کی تائید نہیں کی جا سکتی۔ کوئی صاحب اگر فرض حج کے لیے جا رہے ہیں تو انہیں حج ترک کرنے کا یہ مشورہ درست نہیں ہے، فرض بہرحال فرض ہے جو اسی شکل میں ادا کرنے سے ادا ہوگا، اس کی کوئی اور متبادل شکل نہیں ہوتی۔ البتہ نفلی حج یا عمرہ کرنے والے حضرات اس نفلی حج اور عمرہ پر اپنے متاثرہ بھائیوں کی مدد اور اجڑے ہوئے خاندانوں کی بحالی کو ترجیح دیں گے تو وہ دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے، نیت کی وجہ سے حج یا عمرہ کا ثواب تو انہیں مل ہی جائے گا جبکہ اپنے متاثرہ بھائیوں کی مدد کا ثواب مستقل ملے گا اور آج کے حالات میں اس سے بہتر اور کوئی اجر نہیں ہے۔

پاکستانی قوم جس ہم آہنگی اور یکجہتی کے ساتھ اپنے متاثرہ بھائیوں کی امداد میں مصروف ہے وہ اس المناک سانحہ کا ایک روشن پہلو ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم کو صحیح قیادت میسر آجائے تو اس میں ایک زندہ بیدار اور متحد قوم بننے کی صلاحیت موجود ہے، خدا کرے یہ جذبہ قائم رہے اور جس طرح اپنے متاثرہ اور اجڑے ہوئے بھائیوں کی امداد و تعاون کے لیے ہم ایک نظر آرہے ہیں، دیگر ملی و قومی مقاصد کی طرف پیشرفت میں بھی ہم اسی یکجہتی اور ہم آہنگی کا مظاہرہ کر سکیں، آمین یا رب العالمین۔

قدرتی آفات کے اسباب و عوامل اور ہماری ذمہ داری

۲۶ نومبر ۲۰۰۵ء کو جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، جہلم کے
سالانہ جلسہ دستار بندی سے خطاب

......مجھے گفتگو کے لیے حالاتِ حاضرہ کا عنوان دیا گیا اور اس حوالے سے آج کا اہم موضوع زلزلہ اور اس کے اثرات ہیں، اس پر ملک بھر میں گفتگو ہو رہی ہے، اس کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا جا رہا ہے، مختلف قسم کے شکوک و شبہات پھیلائے جا رہے ہیں، اور ہر سطح پر میڈیا اور لابیاں اس کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

میں اس کے ایک الگ پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہوں گا کہ اس وقت اس کے بارے میں مختلف حلقوں میں جو باتیں ہو رہی ہیں ان میں دو تین سوالات بطور خاص زیر بحث ہیں:

۱. ایک یہ کہ یہ زلزلہ کون لایا ہے؟
۲. دوسرا یہ کہ زلزلے اور دیگر آفتیں کیوں آتی ہیں؟
۳. اور تیسرا یہ کہ زلزلے سے ہونے والی خوفناک تباہی کے بعد اس کے نقصانات کو کم کرنے اور اس کے اثرات کو سمیٹنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

قدرتی آفات کون لاتا ہے؟

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سوال کہ زلزلہ کون لایا ہے بظاہر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے اس کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ بعض دانشوروں کی طرف سے کھلے بندوں یہ کہا جا رہا ہے کہ اس زلزلہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ یا سزا سمجھنے کی بجائے فطری قوانین اور نیچرل سورسز کی کارروائی سمجھا جائے کہ ایسا ہمیشہ

ہوتا آیا ہے اور نیچرل سورسز کے حوالے سے یہ معمول کی کارروائی ہے۔ ایک ممتاز دانشور نے ایک بڑے قومی اخبار میں یہ بات تحریر کی تو میں نے انہیں خط لکھا کہ اگر فطری قوانین خود مختار اور خود کار ہیں تو اسے کسی حد تک قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر فطری قوانین اور نیچرل سورسز کے پیچھے کوئی کنٹرولر اور نگران موجود ہے تو یہ بات درست قرار نہیں پاتی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ان صاحب کے نزدیک یہ سادہ اور فطری قوانین ہی کائنات کی اصل قوت محرکہ ہیں اور ان کے پیچھے کسی ذات کے وجود کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ مگر ہم مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کائنات میں کسی درخت کا ایک پتہ بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ اس لیے ہم سب اس کو نیچرل سورسز کے کھاتے میں ڈال کر مطمئن نہیں بیٹھ سکتے۔

ان محترم دانشور نے اپنے کالم میں میرے اس خط کا ذکر کر کے اس کا یہ جواب دیا کہ نیچرل سورسز ”فیڈ“ کیے ہوئے پروگرام پر چلتی ہیں۔ میں نے گزارش کی کہ اس جواب سے بھی بات نہیں بن رہی، اس لیے کہ فیڈ کرنے والا پروگرام کو فیڈ کرنے کے بعد نہ تو بے اختیار ہو گیا ہے اور نہ ہی نیچرل سورسز کی کارروائی سے بے خبر ہے بلکہ سب کچھ اس کے علم اور مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس لیے یہ بات تو عقیدہ کے طور پر بہرحال تسلیم کرنا ہو گی کہ اس زلزلہ کے دنیاوی اسباب کچھ بھی ہوں لیکن جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور اس کے علم اور حکم کے مطابق ہوا ہے۔

آفتیں کیوں آتی ہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ زلزلے، سیلاب، طوفان، اور دیگر آفتیں کیوں آتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہوں گے۔ ہمارے سائنسدان اور ماہرین ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، ہمیں ان میں سے کسی بات سے انکار نہیں ہے، اسباب کے درجے میں ہم ہر معقول بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے گزشتہ اقوام پر آنے والی ان آفتوں، زلزلوں، آندھیوں، طوفانوں، وباؤں، اور سیلابوں کا ذکر ان اقوام پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اظہار کے طور پر کیا ہے اور ان قدرتی آفتوں کو ان قوموں کے لیے خدا کا عذاب قرار دیا ہے۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے اپنی امت میں آنے والی قدرتی آفتوں کا پیشگوئی کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا یا تنبیہ کے طور پر ان کا

ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند احادیث کا یہاں ذکر کرنا چاہوں گا:

- ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تم نیکی کا حکم ضرور دیتے رہنا، لوگوں کو برائی سے ضرور منع کرتے رہنا، اور ظلم کرنے والے کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے ضرور روکنا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے پر مار دے گا اور تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جیسا کہ پہلی امتوں پر کی تھی۔
- ترمذی شریف میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ضرور سرانجام دیتے رہنا، ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہو گا، پھر تم دعائیں کرو گے تو تمہاری دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔
- ابوداؤد شریف میں سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جب لوگ معاشرہ میں منکرات یعنی نافرمانی کے اعمال کو دیکھیں اور انہیں تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں اور جب کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ سب پر خدا کا عذاب آجائے۔
- ابن ماجہ شریف میں حضرت ابومالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت میں بعض لوگ شراب پی رہے ہوں گے اور اس کا نام انہوں نے کچھ اور رکھا ہو گا، مردوں کے سروں پر گانے کے آلات بج رہے ہوں گے، اور گانے والیاں گا رہی ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے کچھ کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دے گا۔
- ترمذی شریف میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جب غنیمت کے مال کو ہاتھوں ہاتھ لوٹا جانے لگے، امانت کو غنیمت کا مال سمجھ لیا جائے، زکوٰۃ کو تاوان اور بوجھ سمجھا جانے لگے، تعلیم حاصل کرنے میں دین کے مقصد کو پس پشت ڈال دیا جائے، خاوند اپنی بیوی کا فرمانبردار ہو جائے، بیٹا اپنی ماں کا نافرمان ہو جائے، بیٹا اپنے دوست کو قریب کرے اور باپ کو خود سے دور رکھے، مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے، قبیلہ کا سردار اس کا فاسق شخص ہو، قوم کا لیڈر اس کا رذیل ترین شخص ہو، کسی شخص کی

عزت صرف اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جانے لگے، ناچنے والیاں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں، شرابیں پی جانے لگیں، اور امت کے بعد والے لوگ پہلے لوگوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو پھر خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو سرخ آندھی، زلزلوں، زمین میں دھنسائے جانے، شکلوں کے مسخ ہونے، پتھر برسنے، اور ایسی دیگر نشانیوں کی صورت میں اس طرح لگاتار ظاہر ہو گا جیسے کسی ہار کی ڈوری ٹوٹ جائے اور موتی لگاتار گرنے لگیں۔

آفات کا دائرۂ اثر کیا ہے؟

اسی طرح آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ یہ قدرتی آفتیں پہلی امتوں کی طرح اس امت میں بھی آئیں گی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہوں گی۔ اس لیے زلزلہ کے ظاہری اسباب پر ضرور نظر کی جائے اور ان کے حوالے سے بچاؤ اور تحفظ کی ضرور کوشش کی جائے، لیکن اس کے ساتھ بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے باطنی اسباب اور روحانی عوامل کی طرف بھی توجہ دی جائے اور ان کو دور کرنے کے لیے بھی محنت کی جائے۔

جب ہم یہ بات کہتے ہیں تو اس پر ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ سزا اور تنبیہ تو مجرموں کو ہوتی ہے، جو لوگ جرائم میں شریک نہیں ہیں ان کا کیا قصور ہے، اور معصوم بچوں اور عورتوں کا کیا جرم ہے کہ وہ بھی بہت بڑی تعداد میں زلزلہ کی زد میں آ گئے ہیں؟

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ یہ بات بھی جناب نبی اکرمؐ نے متعدّد ارشادات میں واضح فرمائی ہے۔ جب حضورؐ نے آنے والی ان آفتوں کا ذکر کیا تو یہ سوال خود آپؐ سے بھی کیا گیا تھا کہ کیا نیک لوگوں پر بھی یہ عذاب آئے گا؟ نبی اکرمؐ نے اس کا جواب اثبات میں دیا تھا:

- بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جب کسی قوم پر خدا کا عمومی عذاب آتا ہے تو نیک و بد سب اس کا شکار ہوتے ہیں۔ البتہ قیامت کے دن سب لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔
- مسلم شریف میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ میری امت کا ایک شخص حرمِ مکہ میں پناہ لیے ہو گا اور میری امت کا ہی ایک لشکر اس کے تعاقب میں مکہ مکرمہ کی طرف یلغار کرے گا۔ لیکن ابھی وہ بیداء کے

مقام پر ہوں گے کہ سب لوگ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ ان میں بہت سے لوگ غیر متعلق بھی ہوں گے؟ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ان میں مستبصر بھی ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اپنی مرضی کے ساتھ شریک ہوں گے، کچھ مجبور بھی ہوں گے جو کسی مجبوری کی وجہ سے ساتھ ہوں گے، اور ابن السبیل یعنی راہ گیر بھی ہوں گے جن کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہو گا لیکن جب زمین پھٹے گی تو سب لوگ اس میں سما جائیں گے، البتہ قیامت کے دن سب لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

- بخاری شریف میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر جناب نبی اکرمؐ نے امت کے کسی حصے پر آنے والے عمومی عذاب کا ذکر فرمایا تو ام المومنین نے سوال کیا کہ کیا نیک لوگوں کی موجودگی میں ایسا ہو گا؟ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں جب خباثتوں کی کثرت ہو جائے گی تو ایسا ہی ہو گا۔
- مسلم شریف میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے بھی اسی نوعیت کی روایت ہے کہ انہوں نے جناب نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ جو شخص نافرمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہو گا، کیا اس پر بھی عذاب آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں دنیا کے عذاب میں سب ایک ساتھ ہوں گے، پھر قیامت کے دن ہر شخص اپنی نیت پر اٹھایا جائے گا۔

چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون اور ضابطہ ہے جس کی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت فرما رہے ہیں۔ اس کے مطابق ہمیں جہاں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، وہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہے، سزا ہے، تنبیہ ہے، اور عبرت کے لیے ہے جس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟

اب آخری سوال کی طرف آیئے کہ اس صورتحال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ا۔ اس سلسلہ میں ہمارا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ ہم توبہ و استغفار کریں، اپنے جرائم اور بداعمالیوں کا احساس اجاگر کریں، اپنی زندگیوں کو بدلنے کی کوشش کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کریں، معاشرے میں برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو پھیلانے کی محنت

کریں، اور دین کی طرف عمومی رجوع کا ماحول پیدا کریں۔

۲. اس کے بعد ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کریں، ان کی بحالی کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں کہ یہ ہماری دینی اور قومی ذمہ داری ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ میں خود زلزلہ کے متعدّد علاقوں سے ہو کر آیا ہوں اور تباہی کے خوفناک مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ہزاروں خاندان اور لاکھوں افراد ہماری مدد اور توجہ کے مستحق ہیں۔ اگرچہ امدادی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر جاری ہیں لیکن اصل ضرورت سے بہت کم ہیں اور ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وقتی مسئلہ نہیں ہے اس پر کئی سال لگ سکتے ہیں اور اس کے لیے غیر معمولی محنت اور قربانی کی ضرورت ہوگی۔

۳. اس کے ساتھ ہی اس سلسلہ میں جاں بحق ہونے والے خواتین و حضرات کے لیے دعائے مغفرت کا اہتمام ضروری ہے۔ چونکہ وہ لوگ اچانک اور حادثاتی موت کا شکار ہوئے ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق وہ شہداء میں شامل ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا بھی ہم پر ان کا حق ہے اور ہمیں اپنی دعاؤں میں انہیں یاد رکھنا چاہیے۔

تہذیبی چیلنج اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ مئی ۲۰۰۶ء

ربیع الاول کا مہینہ ہر سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی تذکرہ اور یاد کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے لیکن اس ماہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے تذکرۂ نبویؐ کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے، اور دنیا بھر میں مسلمانوں کے مختلف طبقات اپنے اپنے انداز اور طریقہ کے مطابق نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ، حالاتِ مبارکہ، اور ارشاداتِ مقدسہ کے تذکرہ کے لیے تقاریب کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس سال یہ تقاریب اس حوالے سے پہلے سے زیادہ اور منفرد اہمیت کی حامل ہیں کہ یورپ کے بعض اخبارات میں جناب نبی اکرمؐ کے خیالی اور توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد مسلمانانِ عالم میں اضطراب واحتجاج کی جو لہر اٹھی ہے، اس کے مناظر ابھی ذہنوں میں تازہ ہیں اور ربیع الاول کے یہ اجتماعات بھی اسی تسلسل کا حصہ دکھائی دے رہے ہیں۔

جدید تہذیب کے گمراہ کن رویے

اس وقت عالمی سطح پر فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کے مختلف رویوں کے درمیان کشمکش اور تصادم کے بڑھتے ہوئے امکانات کی جو صورتحال پیدا ہو گئی ہے، اور جس میں اسلام ایک واضح فریق کے طور پر سامنے آرہا ہے، اس کے پیش نظر نبی اکرمؐ کی سیرت وتعلیمات کے زیادہ سے زیادہ تذکرہ کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ اس تہذیبی اور فکری کشمکش میں قرآن کریم اور سنتِ نبویؐ ہی سے ہم صحیح سمت کی طرف رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، اور فکر و فلسفہ اور تہذیب وثقافت کے ان رویوں کا سامنا کر سکتے ہیں جو اسلام کو عالمی منظر سے اس حوالے سے ہٹا دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ وہ

رویے جن کا تقاضا ہے کہ جس طرح بہت سے دوسرے مذاہب سوسائٹی کی فکری رہنمائی اور ثقافتی و معاشرتی قیادت سے دستبردار ہوگئے ہیں، اسی طرح اسلام کو بھی معاشرتی قیادت کے منظر سے ہٹ جانا چاہیے اور دوسرے مذاہب کی طرح اپنی سرگرمیوں اور ہدایات کو شخصی اور پرائیویٹ دائروں تک محدود کرلینا چاہیے۔

نبی اکرمؐ کی سیرت و تعلیمات سے راہنمائی

آج کے عالمی منظر میں مسلمانوں کو فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کے حوالے سے یہی سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے، اور آج نبی اکرمؐ کی سیرت و تعلیمات کا اس پس منظر میں مطالعہ کرنے اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ سیرتِ نبویؐ کا جس حوالے سے بھی تذکرہ کیا جائے یہ اجر و ثواب، رہنمائی، اور برکات کا ذریعہ ہے۔ آپؐ تو سراپا رحمت و برکت ہیں اور اجر و ثواب کا سرچشمہ ہیں، لیکن ہمیں اپنی ضروریات کو دیکھنا ہے، اپنی کمزوریوں پر نظر رکھنی ہے اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ پھر ان ضروریات، کمزوریوں، اور کوتاہیوں کا پہلا دائرہ ہمارا داخلی دائرہ ہے، اس کے تقاضے مختلف ہیں، جبکہ دوسرا دائرہ عالمی اور بین الاقوامی ہے جو ہمارے داخلی دائرے سے الگ ہونے کے باوجود تیزی سے بڑھتے ہوئے گلوبل ماحول کی وجہ سے اپنے فاصلے کم کرتا جا رہا ہے، اور دونوں ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہوئے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس پس منظر میں نبی اکرمؐ کی سیرت و تعلیمات کے ان پہلوؤں کو ترجیحی بنیاد پر سامنے لانے کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے جن کا تعلق ہماری موجودہ ضروریات، کمزوریوں، اور کوتاہیوں سے ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ کی تعلیمات وارشادات کے ان حصوں کو زیادہ اہمیت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرنا ضروری ہوگیا ہے جو آج کے عالمی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں ان اشکالات و شبہات کا جواب پایا جاتا ہے، جو آج کی دنیا کی طرف سے اسلام کے بارے میں نمایاں کیے جا رہے ہیں، اور جن کا جواب دینے کی مختلف اطراف سے کوششیں جاری ہیں۔

آج کے مسائل اور ہمارے متضاد رویے

بدقسمتی سے ہم اس حوالے سے بھی افراط و تفریط کا شکار ہیں اور ہماری طرف سے ان معاملات

میں دو مختلف بلکہ متضاد رویے سامنے آرہے ہیں جو کنفیوژن کا باعث بن رہے ہیں اور مسائل کے حل کی بجائے ان میں اضافے کا سبب بنتے جارہے ہیں، مثلاً:

۱. ایک رویہ یہ ہے کہ آج کی دنیا کو درپیش مسائل و مشکلات اور اس کے حل کے لیے منطقی اور فطری ضروریات کی نفی کرتے ہوئے اور ان سے آنکھیں بند کرتے ہوئے رسول اللہؐ کے ارشادو تعلیمات کو اسی انداز اور ماحول میں پیش کیا جاتا ہے جس کا ہمیں اب سے دو سو سال یا تین سو سال قبل سامنا تھا۔ ہم جب آج کے ماحول اور تناظر میں تین سو سال قبل کے ماحول اور تناظر کے مطابق مسائل اور احکامات کو پیش کرتے ہیں تو اس سے منطقی طور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اسلام میں معاشرتی ارتقا کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور وہ تبدیل ہونے والے حالات اور تقاضوں کو اپنے اندر ضم کرنے یا اپنے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کا ذوق نہیں رکھتا۔

اب سے تین سو سال قبل یورپ میں مسیحیت کو اس قسم کی صورتحال درپیش تھی۔ مذہب کے علمبردار اپنے احکام و قوانین کی تعبیر و تشریح میں زمانے کے تغیرات اور ماحول کی تبدیلی کا لحاظ رکھنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو یورپ کے عوام نے فیصلہ کر لیا کہ معاشرتی ارتقا کا راستہ روکا نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان کی تمدن کی ترقی پر قدغن لگائی جاسکتی ہے، اس لیے اگر مذہب ارتقا اور ترقی کے ساتھ ساتھ چلنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اسے اپنی جگہ کھڑا رہنے دیا جائے اور سوسائٹی کو اپنی رفتار کے ساتھ آگے بڑھنے دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب اور سوسائٹی کا باہمی رشتہ ٹوٹ گیا اور مذہب کی رہنمائی اور اس کی حدود کی پابندی سے آزاد ہو کر سوسائٹی نے "مادر پدر آزادی" کا راستہ اختیار کر لیا جس کے خوفناک نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔

بدقسمتی سے آج اسلام کے بارے میں بھی یہی سوچ نمایاں کی جارہی ہے اور اس تاثر کو عام کیا جارہا ہے کہ اسلام میں جدید دور کے تقاضوں کو اپنے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لیے اسے مسجد کے دائرہ میں رہنے دیا جائے اور شخصی زندگی میں اس کے کردار کی نفی نہ کی جائے، البتہ سوسائٹی کو مذہب کی رہنمائی اور اس کے احکام و حدود کی پابندی سے

آزاد کر دیا جائے۔

۲. اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے اربابِ دانش جو اس صورتحال سے پریشان ہیں اور اس سوال کا اپنے اپنے طور پر جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں، ان میں سے کچھ دوست دوسری انتہا کی طرف جاتے دکھائی دے رہے ہیں کہ ان کے معاشرت و تمدن کے جدید مسائل و مشکلات اور ان کے بارے میں موجودہ انسانی سوسائٹی نے جو حل سوچ لیا ہے، یا اُن سے نکلنے کے لیے جو راستہ طے کر لیا ہے، اسی کو حتمی معیار سمجھ لیا جائے، اور اس کے مطابق قرآن کریم اور نبی اکرمؐ کے ارشادات و تعلیمات کی نئی تعبیر و تشریح کر لی جائے، تاکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ قرآن و سنت کی روشنی میں کر رہے ہیں، اگرچہ وہ تعبیر و تشریح ہماری خود ساختہ ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے نزدیک یہ دونوں رویے غلط ہیں اور انتہا پسندانہ ہیں۔ اصل راستہ ان دونوں کے درمیان ہے جو اگرچہ بہت نازک اور حساس ہے لیکن اس کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح نئی ضروریات اور ان کے بارے میں زمانے کی سوچ کو معیار تسلیم کر کے قرآن و سنت کی اس کے مطابق نئی تعبیر و تشریح کرنا غلط اور گمراہ کن طرز عمل ہے، اسی طرح نئی ضروریات کو نظر انداز کر دینا اور ان کا کوئی نہ کوئی حل نکالنے کی ضرورت محسوس نہ کرنا بھی غلط ہے اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔

خلفائے راشدین کے اجتہادی فیصلوں سے راہنمائی

نبی اکرمؐ کے بعد قرآن کریم کی جمع و ترتیب اور تدوین و کتابت کے بارے میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا، وہ ہماری اس گزارش کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ مختلف جنگوں میں قرآن کریم کے حفاظ کی کثرت کے ساتھ شہادتوں کی خبر سن کر حضرت عمرؓ کو تشویش ہوئی اور انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ قرآن کریم کو مرتب انداز میں لکھ کر محفوظ کر لینا چاہیے۔ یہ ایک نئی ضرورت تھی جو حالات کے تحت پیدا ہو گئی تھی، اسے حضرت عمرؓ نے محسوس کیا اور انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے اس ضرورت کا تذکرہ کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ابتدا میں یہ کہہ کر اس کام سے انکار کر دیا کہ ایک کام نبی

اکرمؐ کے زمانے میں نہیں ہوا تھا، میں کیسے کر سکتا ہوں؟ لیکن جب حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلایا تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کی جمع و ترتیب اور تدوین و کتابت کا اجتہادی فیصلہ کر لیا۔ لیکن جب انہوں نے جناب نبی اکرمؐ کے خصوصی کاتب حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر یہ کام ان کے سپرد کرنا چاہا تو انہوں نے بھی پہلے مرحلہ میں وہی بات کہی جو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہی تھی کہ جو کام جناب نبی اکرمؐ کے زمانے میں نہیں ہوا تھا وہ کام مجھے کرنے کے لیے آپؓ کیسے کہہ رہے ہیں؟ ان دونوں بزرگوں نے انہیں اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلایا تب وہ اس کے لیے تیار ہوئے۔

ان بزرگوں کا یہ مکالمہ اور پھر فیصلہ ہمارے لیے اسوہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک اصول اور بنیاد ہے کہ کوئی نئی اجتماعی ضرورت پیش آجائے تو اسے نظر انداز کر دینا دانشمندی نہیں ہے بلکہ اس ضرورت کو تسلیم کرنا، اس کی اہمیت کو سمجھنا، اور اس کا حل نکالنا اہل علم کی دینی ذمہ داری ہے۔ کوئی ضرورت اپنے حل سے زیادہ دیر تک محروم نہیں رہتی کیونکہ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔

البتہ یہ ضرور ہو گا کہ اہلِ علم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس کا کوئی حل نکالیں گے تو وہ شرعی اصولوں کی روشنی میں ہو گا اور دین کے دائرے میں ہو گا، لیکن اگر اہلِ علم اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو لوگ خود اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں گے جو ظاہر ہے کہ دینی اصولوں اور تقاضوں کے دائرہ کا پابند نہیں ہوگا اور اس سے دین سے انحراف کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

اس حوالے سے ایک اور تاریخی اور اجتہادی فیصلے کا تذکرہ کرنا چاہوں گا کہ نبی اکرمؐ اور پہلے دونوں خلفاء حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنا بیت المال کی ذمہ داری تھی اور بیت المال کے نمائندے ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کیا کرتے تھے۔ لیکن امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ محسوس کیا کہ لوگوں کے پاس جو ذاتی اور پرائیویٹ رقم ہوتی ہے، سرکاری طور پر اس کی زکوٰۃ وصول کرنے کی صورت میں ان کی ''پرائیویسی'' متاثر ہوتی ہے اور لوگوں کے ذاتی معاملات میں سرکاری اہلکاروں کا تجسس بڑھتا ہے۔ اس لیے انہوں نے ''اموالِ ظاہرہ'' اور ''اموالِ باطنہ'' کا فرق کر کے لوگوں کی ذاتی اور پرائیویٹ رقوم کو زکوٰۃ کے سرکاری وصولی کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا، اور کہا کہ اس قسم کے اموال کی زکوٰۃ لوگ اپنی ذمہ

داری پر خود ادا کیا کریں تا کہ ان کی پرائیویسی متاثر نہ ہو اور سرکاری اہلکار خواہ مخواہ لوگوں کی ذاتی و پرائیویٹ رقوم اور اموال کا کھوج نہ لگاتے پھریں۔

اس نوع کی بیسیوں مثالیں آپ کو اسلامی تاریخ میں ملیں گی۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں، صحابہ کرامؓ کے دور میں، اور ان کے بعد کم و بیش ہر دور میں آپ اس کی مثالیں دیکھیں گے کہ کوئی اجتماعی ضرورت پیدا ہوئی، کسی نئے معاشرتی تقاضے نے سر اٹھایا، تو اہلِ علم نے اس کا بروقت نوٹس لیا اور اس کا حل نکالا، اور شریعتِ اسلامیہ کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کہیں اجتہادی دائروں میں تعبیر و تشریح اور تطبیق و تنفیذ کے زاویے تبدیل کرنا پڑے تو ان سے گریز نہیں کیا۔

شریعت کے اصول اور زمانے کے تقاضے

اسی کا نام اجتہاد ہے، اسی کو زمانے کے بدلتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اس بنیادی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ

- شریعت کو زمانے کے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا اور چیز ہے،
- اور زمانے کے تقاضوں کا ادراک و احساس کرتے ہوئے شریعت کے اصولوں کے دائرے میں ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنا اس سے بالکل مختلف امر ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ آج نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ، حالاتِ مبارکہ، اور ارشادات مقدسہ کو پیش کرتے ہوئے زمانے کی اس ضرورت کو سامنے رکھنا ضروری ہے اور اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کے جدید چیلنج سے نمٹنا کوئی زیادہ مشکل امر نہیں ہے، لیکن اس کے لیے اربابِ عزم و ہمت اور اصحابِ فہم و ادراک کی ضرورت ہے جو آگے بڑھیں اور جدید تہذیب و فلسفہ کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے وقت کے فکری دھارے کا رخ موڑ دیں۔

تعددِ ازدواج اور اسلامی تعلیمات

ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ اگست ۲۰۰۶ء

مغربی اعتراضات کا جائزہ

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ شادیاں اور قرآن کریم میں مسلمانوں کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ایک عرصہ سے مغربی حلقوں میں زیر بحث ہے اور اعتراض وطعن کا عنوان بنی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی سامنے آجاتا ہے کہ جب ایک مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو عورت کو بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ حدود آرڈیننس پر گزشتہ دنوں چھیڑی جانے والی بحث کے دوران مختلف حلقوں کی طرف سے یہ سوالات میڈیا کے ذریعے اٹھائے گئے ہیں اور ان پر لوگ اپنے اپنے انداز میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔

صدر محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں جب ایک موقع پر مغربی پاکستان اسمبلی میں عائلی قوانین پر بحث ہو رہی تھی تو اسمبلی کی ایک خاتون ممبر نے یہ سوال کیا تھا کہ مرد کو چار بیویاں کرنے کا حق ہے تو عورت کو چار خاوند کرنے کا حق کیوں نہیں ہے؟ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ بھی اسمبلی کے رکن تھے اور ان کا جواب دینے کا مخصوص انداز ہوتا تھا۔ انہوں نے مذکورہ خاتون کو مخاطب کر کے کہا کہ

> ”بیگم صاحبہ! آپ بیس کریں، آپ کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ممانعت تو قرآن کریم کا حکم ماننے والوں کے لیے ہے، نہ ماننے والوں کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے“۔

چند روز قبل ایک قومی اخبار میں یہی سوال سامنے آنے پر مولانا ہزارویؒ کا یہ جواب ذہن میں تازہ ہو گیا، مگر یہ سوالات جس انداز سے نیشنل میڈیا میں اٹھائے جا رہے ہیں اور انہیں اسلامی احکام و

قوانین کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے، اس کے پیش نظر ان سوالات کا قدرے سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

ایک سے زائد شادیوں کے بارے میں سوالات کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱. مسلمانوں کو چار سے زائد شادیاں کرنے کا حق قرآن کریم میں کیوں دیا گیا ہے؟
۲. جب قرآن کریم نے بیک وقت چار سے زائد نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی تو جناب نبی کریمؐ کی کل گیارہ اور بیک وقت نو شادیاں کیوں تھیں؟
۳. مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو عورت کو ایک سے زیادہ نکاح بیک وقت کرنے کا حق کیوں نہیں دیا گیا؟

مرد کے لیے چار شادیوں کی اجازت

جہاں تک چار شادیاں کرنے کی اجازت کا تعلق ہے، یہ بلاشبہ قرآن مجید میں موجود ہے لیکن اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر اور مقصد کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ حکم سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ میں اس طرح ہے کہ

> ”اگر تم خوف کھاؤ کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو، دو دو تین تین اور چار چار۔ اور اگر تم خوف کرو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔“

بخاری شریف کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ جاہلیت کے دور میں بہت سے لوگ اپنے خاندان کی یتیم اور بے سہارا بچیوں کو ان کے حسن یا مال کی وجہ سے اپنی بیوی بنا لیتے تھے اور ان کے ساتھ انصاف نہیں کرتے تھے۔ شادیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی، کوئی بھی شخص جتنی شادیاں چاہتا تھا کر لیتا تھا، اور اس طرح عورتیں خاص طور پر یتیم لڑکیاں ظلم اور حق تلفی کا نشانہ بنتی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی رو سے دو پابندیاں عائد کر دیں:

۱. ایک یہ کہ خاندان کی کسی یتیم لڑکی کو بیوی بنانے کی صورت میں اگر اس کے حقوق پورے

نہیں کر سکتے اور انصاف مہیا نہیں کر سکتے تو اس کے ساتھ شادی مت کرو،

۲. اور دوسری یہ کہ چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔

اس طرح بنیادی طور پر یہ حکم چار تک شادیاں کرنے کے حکم کے طور پر نہیں بلکہ چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کے طور پر ہے، اور اسے بھی آیت کریمہ میں مشروط کر دیا گیا ہے کہ اگر انصاف اور حقوق کے تقاضے پورے کر سکو تو اس کی اجازت ہے ورنہ ایک پر ہی قناعت کرو۔

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کو اگر معاشرتی مسائل اور ضروریات کے حوالہ سے دیکھا جائے تو اسے سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اور یہ مرد اور عورت دونوں کے حوالے سے ہے:

- مرد کے حوالے سے اس لیے کہ بسا اوقات ایک مرد اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ایک عورت پر قناعت نہیں کرتا تو اس کے لیے یہ راستہ رکھا گیا ہے کہ وہ ناجائز صورتیں اختیار کرنے کے بجائے باقاعدہ نکاح کرے، تاکہ جس عورت کے ساتھ وہ یہ تعلق قائم کرے اس کی ذمہ داری بھی قبول کرے۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ کسی بھی مرد کو کسی بھی عورت کے ساتھ جنسی تعلق کی اس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک وہ اس عورت کے مالی اخراجات، اور جنسی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کی پرورش اور اخراجات کی ذمہ داری باقاعدہ طور پر قبول نہ کرے۔ اسلام مغرب کے موجودہ فلسفہ اور کلچر کی طرح جنسی تعلقات کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ مرد تو اپنا جنسی تقاضا پورا کر کے چلتا بنے اور عورت اس کے نتائج بھگتنے کے لیے تنہا رہ جائے۔
- عورت کے حوالے سے اس لیے کہ معاشرے میں بسا اوقات ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ عورت کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا کہ وہ یا تو تنہائی کی زندگی گزارے اور یا کسی شادی شدہ مرد کی دوسری یا تیسری بیوی بن کر اپنی زندگی کو بامقصد بنا لے۔ اس صورت میں اسلام نے جائز نکاح کا راستہ بند کر کے بہت سے ناجائز راستے کھولنے کے بجائے ایسی عورت کو زندگی بسر کرنے کا باوقار راستہ دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نکاح تو عورت کی اجازت اور مرضی سے ہی ہوتا ہے، اور اگر کوئی عورت اس کے لیے سوچ سمجھ کر تیار ہوتی ہے تو اس کی معاشرتی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جناب نبی اکرمؐ کی چار سے زیادہ بیویاں

جناب نبی کریمؐ کے حوالے سے یہ سوال اس طرح ہے کہ جب قرآن کریم نے چار سے زیادہ شادیوں کی ممانعت کر دی، اور اس کے مطابق نبی اکرمؐ نے بہت سے صحابہ کرامؓ کو چار سے زائد بیویوں سے دستبرداری کا حکم دیا، تو جن کی چار سے زائد بیویاں تھیں انہوں نے باقی بیویوں کو الگ کر دیا، مگر خود نبی اکرمؐ نے اپنی چار سے زائد بیویوں کو فارغ نہیں کیا حتیٰ کہ آپؐ کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں۔ سوال یہ ہے کہ جس قانون کی دوسرے مسلمانوں سے پابندی کرائی گئی خود نبی اکرمؐ نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا اور چار سے زائد بیویاں مسلسل اپنے نکاح میں کیوں رکھیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ رسول اللہؐ نے چار سے زیادہ بیویاں قرآن کریم کی طرف سے عائد کردہ پابندی کے بعد نہیں کیں، بلکہ ان میں سے اکثر اس سے پہلے اس دور سے آپ کی بیویاں چلی آ رہی تھیں جب شادیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ البتہ چار کی تعداد کی پابندی عائد ہو جانے کے بعد نبی اکرمؐ نے زائد بیویوں کو الگ نہیں کیا، بلکہ دو مزید نکاح بھی کیے اور یہی سب سے بڑا نکتہ اعتراض ہے۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لیے ہمیں قرآن کریم کے دو دیگر حکموں کو سامنے رکھنا ہو گا:

۱. ایک حکم سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶ میں ہے جس میں نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو تمام مسلمانوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے اور اسی بنیاد پر ان میں سے ہر خاتون ”ام المومنین“ کہلاتی ہے۔

۲. اور دوسرا حکم اسی سورۃ کی آیت نمبر ۵۳ میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہؐ کی کسی بیوی کے ساتھ ان کے بعد کوئی مومن نکاح نہیں کر سکتا۔

گویا ازواجِ مطہرات کے لیے مومنوں کی ماں ہونے کا لقب محض اعزاز میں نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ عملی پہلو بھی ہیں۔ اس صورت میں یہ الجھن سامنے آ رہی تھی کہ باقی جن لوگوں نے چار سے زائد بیویوں کو فارغ کر دیا تھا، ایسی خواتین کے لیے نئے نکاح میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مگر ازواجِ مطہرات نبی اکرمؐ کے گھر سے فارغ ہونے کے بعد کسی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی تھیں، اس لیے خود ان کے وقار، مستقبل اور تحفظ و مفاد کا تقاضا تھا کہ انہیں فارغ نہ کیا جائے اور وہ بدستور نبی اکرمؐ کے نکاح میں رہیں۔

یہاں ایک بات اور پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جناب نبی اکرمؐ کی ایک سے زیادہ شادیوں کا تعلق (نعوذ باللہ) جنسی جذبے اور خواہش سے نہیں بلکہ دینی و معاشرتی مصالح سے تھا، اس لیے کہ رسول اللہؐ نے ۲۵ سال سے ۵۰ سال تک کی عمر ایک بیوہ خاتون ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے ساتھ بسر کی جو کسی بھی انسان کی جنسی خواہش اور جذبے کی اصل عمر ہوتی ہے۔ اس دوران حضرت خدیجہ آپ کے نکاح میں رہیں اور حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ باقی ساری اولاد بھی انہی کے بطن سے ہوئی، جبکہ عمر میں وہ نبی اکرمؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اس کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں اور پھر حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا۔

چنانچہ حضرت سودہؓ کے بعد جتنے نکاح بھی ہوئے ان کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی دینی و معاشرتی مصلحت موجود نظر آتی ہے۔ جبکہ حضرت عائشہؓ سے نکاح کی مصلحت ان کی عظیم دینی و علمی جدوجہد کے حوالہ سے دیکھی جائے تو واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ جناب نبی اکرمؐ کی گھریلو زندگی اور سنتِ نبوی کا چار دیواری کے اندر کا علم محفوظ رکھنے اور پورے تفقہ و تیقن کے ساتھ امت تک پہنچانے کے لیے کسی ایسی خاتون کا آنحضرتؐ کی ازواج میں شامل ہونا ضروری تھا جو ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ عمر کے اس مرحلہ میں ہو جسے تعلیم و تعلم کی عمر کہا جاتا ہے، تاکہ وہ پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ نبی اکرمؐ کی ذاتی اور خاندانی زندگی اور چار دیواری کے اندر کے ارشادات و مصروفیات کا علم حاصل کرے اور امت تک پہنچائے۔ اسی لیے حضرت عائشہؓ کا نکاح جناب نبی اکرمؐ کے ساتھ بچپن میں ہوا جو تعلیم تعلم کا فطری دور ہوتا ہے، اور نو سال سے اٹھارہ سال تک کی عمر رسول اللہؐ کے ساتھ گزار کر حضرت عائشہؓ نے جو کچھ سیکھا، اس کے بعد کم و بیش نصف صدی تک وہ امت کو سکھاتی اور پڑھاتی رہیں۔ اس لیے یہ شادی اور اس کا بچپن میں ہونا امت کی بڑی علمی اور دینی ضرورت کے لیے تھا۔ اسی طرح رسول اللہؐ کی باقی شادیوں کی دینی و معاشرتی مصلحتوں تک بھی رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس پس منظر میں جناب نبی اکرمؐ کا چار سے زیادہ بیویوں کو بدستور اپنے نکاح میں رکھنا دینی و معاشرتی مصالح کے پیش نظر تھا، اور خود ان معزز خواتین کے احترام اور مفاد کا تقاضا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نبی اکرمؐ کو بطور خاص اجازت مرحمت فرما دی تھی۔

عورت کے لیے چار شادیوں کی اجازت کیوں نہیں ؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ مرد چار بیویاں کر سکتا ہے تو عورت چار خاوند کیوں نہیں کر سکتی ؟ اس کا بھی سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس کی وجہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

خاندان کو نہ صرف اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اسے سوسائٹی کا بنیادی یونٹ قرار دیا ہے بلکہ دنیا کے ہر مہذب فلسفہ میں خاندان کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ خاندان کے قیام و استحکام کی بنیاد نسب کے تحفظ پر ہے اور نسب کے تحفظ پر ہی خاندان کی تشکیل اور بقا کا دار و مدار ہے، کیونکہ جب تک نسب کا تعین اور تحفظ نہ ہو اُن رشتوں کا تعین بھی نہیں ہو سکتا جن سے ایک خاندان تشکیل پاتا ہے۔ ایک مرد جتنی زیادہ عورتوں سے جنسی تعلق رکھے، جائز و ناجائز کی بحث سے قطع نظر اگر وہ اپنے اس جنسی تعلق کو تسلیم کرتا ہے تو نسب کے تعین میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، اور نسب کے ساتھ ساتھ متعلقہ رشتوں کا تعین بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن عورت ایک مرد سے زیادہ لوگوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرے گی تو پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا تعین مشکل ہو جائے گا۔

یہ مسئلہ جاہلیت کے دور میں بھی تھا جب زنا کی کھلی اجازت تھی لیکن ان لوگوں نے اس مسئلہ کا حل نکال رکھا تھا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جاہلیت کے دور میں عام طور پر بہت سی عورتیں متعدّد مردوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیتی تھیں لیکن بچہ پیدا ہونے کی صورت میں

- وہ عورت ایسے مردوں کا تعین کر کے انہیں طلب کرتی تھی اور سب کی موجودگی میں ان میں سے کسی ایک کو مخاطب کر کے کہتی تھی کہ یہ بچہ تمہارا ہے۔ کسی شخص کو اس فیصلے سے انکار کی جرات نہیں ہوتی تھی اور اسے بچے کی ذمہ داری قبول کرنا پڑتی تھی۔
- جبکہ اس سے زیادہ اشتباہ کی صورت میں قیافہ شناس کو بلایا جاتا تھا جو عورت کی طرف سے جنسی تعلق کے حوالے سے نامزد کیے جانے والے مردوں میں سے قیافہ کی بنیاد پر کسی ایک کا تعین کر دیتا تھا اور اس مرد کو بچے کے باپ کے طور پر ذمہ داری قبول کرنا پڑتی تھی۔

خاندانی نظام کا انتشار اور اس کا حل

آج مغرب کو بھی اس صورتحال کا سامنا ہے کہ شادی کے بغیر بچوں کی پیدائش بڑھتی جا رہی ہے اور بہت سے بچوں کے باپوں کا تعین ممکن نہیں رہا، مگر مغرب نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ "سنگل پیرنٹ" کے قانون کے تحت باپ اور نسب کے تعین کو ہی غیر ضروری قرار دے دیا ہے اور بچے کی پیدائش کی ذمہ داری میں ماں کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ عورت پر صریح ظلم ہے کہ جنسی تعلق میں تو مرد اس عورت کے ساتھ برابر کا شریک ہو مگر اس کے نتائج بھگتنے کے لیے عورت کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ مغرب کو آج فیملی سسٹم کی تباہی اور رشتوں کی پامالی کے حوالے سے جس بحران کا سامنا ہے اس کا سب سے بڑا سبب زنا ہے کہ مغرب نے مرد اور عورت کے جنسی تعلق کے حوالے سے آسمانی تعلیمات سے دستبردار ہو کر فیملی سسٹم کی تباہی کا دروازہ خود کھولا ہے اور اس کے نتائج کو روکنے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اس لیے اگر خاندان کو انسانی سوسائٹی کے بنیادی یونٹ کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا تحفظ و بقا ضروری ہے تو اس کے لیے نکاح و طلاق کے وہی قوانین فطری اور ناگزیر ہیں جو قرآن پاک پیش کرتا ہے اور سابقہ آسمانی تعلیمات بھی انہی کی تائید کرتی ہیں اس لیے کہ ان کی بنیاد فطرت پر ہے۔

بچیوں کے زندہ درگور کا رواج اور اسوۂ نبوی ﷺ

روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۸ء

بلوچستان میں پانچ عورتوں کو زندہ دفن کر دیا گیا ہے اور اسے قبائلی روایات کا حصہ قرار دیا جا رہا ہے۔ ملک بھر میں اس کی شدید مذمت کی جا رہی ہے اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں اس سلسلہ میں مسلسل متحرک ہیں۔ سینٹ آف پاکستان نے بھی مذمت کی قرارداد منظور کی ہے اور اس سانحہ کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات تو انکوائری کی رپورٹ سامنے آنے پر ہی معلوم ہوں گی لیکن کسی انسان کی روح کو لرزا دینے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ پانچ عورتوں کو ایک قبائلی رسم کی بھینٹ چڑھا کر زندگی کے حق سے محروم کر دیا گیا اور پھر ایک گڑھے میں دبا کر ان پر زمین برابر کر دی گئی۔

ایک عرب شاعر کا اعتراف

جاہلیت کے دور میں عرب معاشرے میں بھی بعض قبائل اس انسان سوز رسم پر عمل پیرا تھے جس کی قرآن کریم نے مذمت کی ہے۔ اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قبائلی روایات کو اپنی تئیس سالہ جانگسل جدوجہد کے ساتھ عرب معاشرے سے عملاً ختم کیا تھا ان میں ایک مذموم روایت اور رسم بد یہ بھی تھی۔ حتیٰ کہ ’’دیوانِ حماسہ‘‘ میں ایک شاعر کے کلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک عرب سردار سے کسی نے لڑکی کا رشتہ مانگا تو اس نے انکار کرتے ہوئے اپنے شاعرانہ جواب میں یہ مصرع کہا کہ

’’جب سے یہ نبی کھڑا ہوا ہے، ہر طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہو گئی ہیں‘‘۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نبی کریمؐ کی دعوت و تبلیغ کے باعث لڑکیوں کی کثرت ہو گئی ہے اس

لیے رشتے کے لیے میری طرف مت دیکھو۔ اس طرح جناب رسول اللہؐ کا تاریخ میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپؐ عورتوں کو زندگی کا حق دلوانے والے نبی ہیں۔

عرب جاہلیت میں عورت کی حیثیت

عرب جاہلیت میں عورت نفرت اور حقارت کا عنوان تھی، لڑکی کی ولادت کو شرمندگی کی علامت سمجھا اور بوجھ تصور کیا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے سورۃ النحل آیت ۵۷ تا ۵۹ میں اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ

> ”جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی ولادت کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دم غصے سے گھٹنے لگتا ہے، وہ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے“۔

مشرکینِ عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن کریم نے اس پر طعن کرتے ہوئے سورۃ النجم آیت ۲۱ و ۲۲ میں کہا کہ

> ”اپنے لیے تو تم بیٹیاں پسند نہیں کرتے مگر خدا کے کھاتے میں تم نے بیٹیاں ڈال رکھی ہیں، یہ کتنی بری تقسیم تم نے کی ہے۔“

لڑکیوں کو باعثِ عار ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر بوجھ بھی تصور کیا جاتا تھا کہ ساری زندگی ان کو کھلانا پڑے گا، اس لیے انہیں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کرنے میں عافیت سمجھی جاتی تھی۔ قرآن کریم نے سورۃ الانعام آیت ۱۵۱ میں فرمایا کہ

> ”اپنی اولاد کو فاقے کے خوف سے قتل مت کرو اس لیے کہ تمہیں بھی ہم رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں“۔

ایک سنگدل کا قصہ

ایک شخص جناب نبی کریمؐ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا اسلام قبول کرنے سے میرے جاہلیت کے دور کے سارے گناہ معاف ہو جائیں

گے ؟'' آپؐ نے فرمایا کہ اسلام کا ضابطہ یہی ہے کہ کوئی کافر اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائے تو اس کے کفر کے دور کے سب کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے ہاتھوں اپنی آٹھ بیٹیاں زندہ دفن کی ہیں، پھر اس نے سب سے آخری بیٹی کو دفن کرنے کا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

اس نے کہا کہ میں سفر پر روانہ ہو رہا تھا اور میری بیوی اس وقت حاملہ تھی، میں نے سال دو سال کے بعد واپس آنا تھا، بیوی کو وصیت کی کہ اگر اس حمل سے لڑکا پیدا ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ لڑکی کی صورت میں اسے زمین میں دبا دینا تاکہ میں واپسی پر اس کی شکل نہ دیکھوں۔ خدا کی قدرت کہ میرے چلے جانے کے بعد لڑکی پیدا ہو گئی مگر ماں کا حوصلہ نہ ہوا کہ وہ اسے زندہ دفن کر دے۔ وہ بچی گھر میں پلتی رہی، کچھ عرصہ بعد میں واپس آیا تو ایک بچی کو گھر میں کھیلتے دیکھا، بیوی پوچھا تو اس نے کہا کہ رشتہ داروں کی بچی ہے اور پھر اسے کسی رشتہ دار کے ہاں بھجوا دیا، مجھے بتایا کہ تمہاری بچی پیدا ہوئی تھی جو میں نے زندہ دفن کر دی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر کسی سفر پر گیا اور اچانک واپس آیا تو اس بچی کو پھر گھر کے صحن میں دیکھا۔ مجھے شک ہوا، میں نے بیوی سے سختی سے پوچھا تو اس نے اصل بات بتا دی کہ یہ تمہاری ہی بچی ہے میرا حوصلہ نہیں ہوا تھا کہ اسے زندہ در گور کر سکوں۔ میں نے کہا کہ خیر ہے کوئی بات نہیں اور پھر میں نے خاموشی اختیار کر لی مگر موقع کی تاک میں رہا۔ بچی تین چار سال کی ہو گئی تو میں نے بیوی سے کہا کہ اسے تیار کر دو میں اسے میلہ دکھانے ساتھ لے جاؤں گا، اس نے بچی کو تیار کر دیا۔ میں اسے لے کر جنگل میں گیا اور ایک گڑھا کھود کر اسے اس میں بٹھا دیا اور اوپر سے مٹی ڈالنے لگا۔ وہ معصوم اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے میری داڑھی کی مٹی جھاڑتی تھی اور توتلی زبان کے ساتھ مجھ سے پوچھتی تھی کہ ابو یہ آپ کیا کر رہے ہیں اور مجھے میلہ دکھانے کیوں نہیں لے جا رہے، اس مرحلے میرا دل کچھ پسیجا مگر اپنے اوپر جبر کر کے میں نے اسے دفن کر ہی دیا۔

یہ قصہ سنا کر اس شخص نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، آپؐ نے فرمایا: تم نے بہت ظلم کیا ہے مگر ضابطہ یہی ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پچھلے گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک رحمدل کا قصہ

اس قسم کی داستانیں اس معاشرے میں عام تھیں اور عورت کی زندگی کا حق بہت سے قبائل کی روایات کی بھینٹ چڑھا ہوا تھا۔ لیکن بعض نیک دل لوگ بھی ہوتے تھے جو ایسی بچیوں کو بچانے کی کوشش کرتے تھے اور نیکی کماتے تھے۔

ایک صاحب کا قصہ ہے جو غالباً مشہور عرب شاعر فرزدق کے دادا تھے۔ وہ اپنے کسی گم شدہ اونٹ کی تلاش میں تھے کہ ایک جگہ خیمہ نظر آیا، قریب گئے تو ایک خاندان اس میں قیام پذیر تھا۔ اندر خواتین تھیں اور غالباً کسی عورت کے ہاں بچہ ہونے والا تھا اور اس کا خاوند خیمے سے باہر لکڑی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں جب قریب گیا تو اس شخص کو یہ کہتے سنا کہ اگر لڑکا ہوا تو مجھے خوشخبری دینا اور اگر لڑکی ہوئی تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے پچھلے دروازے سے لے جا کر اسے زمین میں دبا دینا۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں بھی پاس بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد اندر سے آواز آئی کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اس نے زور سے کہا کہ مجھے مت دکھاؤ پیچھے سے لے جا کر زمین میں دبا دو۔ میں نے اس سے کہا کہ اس معصوم بچی کو نہ مارو بلکہ ایک اونٹ کے عوض مجھے دے دو۔ اس نے وہ بچی اونٹ کے عوض مجھے دے دی اور میں اسے گھر لے آیا۔ پھر میں نے اپنی عادت بنا لی کہ جہاں بھی مجھے معلوم ہوتا کہ بچی پیدا ہوئی ہے اور گھر والے اسے دفن کرنا چاہتے ہیں تو میں فوراً وہاں پہنچتا اور ایک اونٹ کے عوض اسے لے لیتا۔

ان صاحب کے بارے میں تاریخی روایات میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام کا دور آنے تک تین سو کے لگ بھگ بچیاں اسی طرح لوگوں سے لے کر پالی تھیں اور ان کی پرورش کرنے کے بعد ان کی شادیاں کی تھیں۔ سوسائٹی میں ایسے رحمدل لوگ بھی موجود تھے، لیکن لڑکی کی پیدائش عام طور پر شرمساری کا باعث اور زندگی بھر کا بوجھ سمجھی جاتی تھی اور اسے بچپن میں زندہ درگور کر دینے کو ہی بہتر تصور کیا جاتا تھا۔

نبی اکرمؐ کا حسنِ سلوک

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسمِ بد کی نہ صرف یہ کہ مذمت کی اور اسے سختی کے

ساتھ روکا بلکہ اپنے عمل کے ساتھ بھی بتایا کہ بچی شفقت اور پیار کی مستحق ہے اور عورت کو بھی زندگی کا اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح مرد کو ہے۔ آپؐ نے اپنی چار بیٹیوں کی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کرکے دنیا کو سبق دیا کہ بچیوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ نبی اکرمؐ کی نواسی امامہ اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کی پہلے خاوند سے بیٹی زینبؓ نے بھی رسول اکرمؐ کی گود میں پرورش پائی ہے۔ آپؐ نے دنیا کو اپنے عمل کے ساتھ بتایا کہ لڑکی نہ عار کی چیز ہے اور نہ ہی بوجھ کا باعث ہے۔

دورِ جدید میں جاہلیت

مگر آج کی دنیا پھر جاہلیت کی طرف پلٹتی نظر آرہی ہے اور یہ صرف بلوچستان کے بعض قبائل کی روایت کے طور پر نہیں ہے بلکہ مغرب کی مہذب دنیا بھی اسی ذہنیت کا شکار ہے۔ ہزاروں حمل صرف اس لیے ماؤں کے پیٹ میں ختم کر دیے جاتے ہیں کہ ان کی پرورش کون کرے گا؟ حضورؐ نے اسقاطِ حمل کو قتل سے تعبیر کیا ہے۔ پاپائے روم بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں مگر مغربی دنیا میں اسے عورت کا حق قرار دینے پر زور دیا جا رہا ہے۔

پھر مغرب کا اسقاطِ حمل تو لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے یکساں ہے مگر ہمارے پڑوس بھارت میں یہ اسقاطِ حمل صرف اس لیے ہوتا ہے کہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ پیدا ہونے والی بچی ہے اس لیے اسے پیٹ میں ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے ماں کے پیٹ میں بچے یا بچی کے بارے میں معلوم کر لینا سائنس کے کمالات میں سے ہے، مگر بھارت میں یہ لڑکیوں کے لیے عذاب کا باعث بن گیا ہے کہ بھارتی حکومت کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق اب ایسے اسقاطِ حمل کے واقعات کی تعداد سالانہ لاکھوں تک جا پہنچی ہے جن میں الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے یہ معلوم ہو جانے پر حمل ساقط کرا دیا جاتا ہے کہ بچی جنم لینے والی ہے۔ اس خطرناک اور عورت دشمن رجحان کو روکنے کے لیے اب وہاں کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کیے جا رہے ہیں۔

عورت آج پھر زندگی کے حق سے محروم ہو رہی ہے، بلوچستان میں بھی، بھارت میں بھی اور مغربی دنیا میں بھی، صرف طریق کار مختلف ہے۔ اس لیے اگر عورت کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے والی این جی اوز بلوچستان میں پانچ عورتوں کے اس وحشیانہ قتل کے خلاف آواز اٹھا رہی ہیں، اس ظلم کی تلافی کے ساتھ ساتھ عورت کی جان اور حقوق کے تحفظ کی بات کرتی ہیں، اور سینٹ آف پاکستان اور

حکومتِ پاکستان بھی اس کے لیے سنجیدہ اور متحرک ہوگئی ہیں تو یہ بہت خوشی اور اطمینان کی بات ہے، ہم ان کے ساتھ ہیں۔ البتہ اس موقع پر بلوچستان میں زندہ دفن کی جانے والی عورتوں کے بارے میں جائز طور پر آواز اٹھانے والی این جی اوز، سینٹ آف پاکستان اور حکومتِ پاکستان سے ہم یہ سوال کرنے کی جسارت ضرور کریں گے کہ ایک سال قبل اسلام آباد کے جامعہ حفصہ میں زندہ جلائی جانے والی بچیاں بھی تو عورت کی صنف سے ہی تعلق رکھتی تھیں۔ کیا آگ میں زندہ بھسم کر دی جانے والی ان معصوم بچیوں کی دادرسی کے لیے بھی کوئی حکومت، کوئی سینٹ اور کوئی این جی او آواز اٹھانے کے لیے تیار ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات

روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۵ دسمبر ۲۰۰۸ء

تاریک دور اور روشن دور کی تقسیم

مغرب میں انسانی تاریخ کے تاریک دور اور روشن دور کی تقسیم کا واضح تصور موجود ہے اور ان میں حدِ فاصل انقلابِ فرانس کو سمجھا جاتا ہے۔ یہ انقلاب جو یورپ میں جمہوری دور کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا، اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں رونما ہوا اور اس نے مغربی دنیا کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ چنانچہ مغرب میں انقلابِ فرانس سے پہلے کے دور کو تاریک دور اور قرونِ مظلمہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جبکہ انقلابِ فرانس کے بعد کا دور روشنی، علم، انسانی حقوق اور تمدن کا دور کہلاتا ہے۔

اسی طرح اہلِ اسلام میں بھی دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام کی تقسیم کا ایک واضح تصور موجود ہے۔ چنانچہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے کسی بھی واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے دورِ جاہلیت کا واقعہ کہا جاتا ہے، اور آنحضرتؐ کی بعثت سے بعد کا دور علم، روشنی اور حقوق کا دور تسلیم کیا جاتا ہے۔

اسی بنیاد پر یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ مغرب نے جس طرح دنیا کی اقوام و طبقات اور انسانی سوسائٹی کے افراد کے باہمی تعلقات کی حدود کار اور ان کے باہمی حقوق اقوام متحدہ کے چارٹر اور دیگر بین الاقوامی دستاویزات میں بیان کی ہیں، اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلابِ فرانس سے کم و بیش بارہ سو سال قبل ان حقوق و معاملات کی نشاندہی فرما دی تھی جو قرآن کریم کی بیسیوں آیات اور جناب نبی اکرمؐ کے سینکڑوں ارشادات میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ اور اس کے لیے بطور خاص ’’خطبہ حجۃ الوداع‘‘ کا حوالہ دیا جاتا ہے جو نبی کریمؐ کی وفات سے چند ماہ قبل حج کے

موقع پر منیٰ اور عرفات کے میدانوں میں صحابہ کرامؓ کے سب سے بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

یہ خطبۂ حجۃ الوداع سینکڑوں احادیثِ نبویہ میں بکھرا ہوا موجود ہے۔ اس اجتماع میں شریک صحابہ کرامؓ میں سے جس کو جو جملہ یاد رہا، اس نے اپنے ذوق کے مطابق اسے روایت کر دیا۔ بہت سے اصحابِ علم نے اس تاریخی خطبے کو مجتمع کرنے کے لیے مختلف اوقات میں کام کیا اور اس کے متعدّد مجموعے کتابچوں اور مقالات کی صورت میں ہمارے علمی ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے بڑے بیٹے حافظ محمد عمار خان ناصر (مدیر ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ) نے اب تک میسر مواد کو سامنے رکھ کر اس کا ایک مجموعہ پیش کیا ہے جو اس موقع پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مختلف متون، ان کے حوالہ جات اور آسان اردو ترجمہ پر مشتمل ہے اور الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ سے کتابچہ کی صورت میں شائع ہونے کے علاوہ ویب سائیٹ پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاداتِ نبویؐ

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات گرامی کا انتخاب قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے:

۱. اے لوگو! حج کے مناسک سیکھ لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد مجھے حج کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔

۲. اے لوگو! آج کے دن اللہ تعالیٰ نے تم پر خاص عنایت فرمائی ہے اور تمہارے گناہ بخش دیے ہیں، سوائے ان حق تلفیوں کے جو تم نے آپس میں ایک دوسرے کی کر رکھی ہیں۔

۳. اے لوگو! خاموشی کے ساتھ میری بات سنو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔

۴. اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتے ہیں۔

۵. خبردار! چار باتوں سے بچتے رہنا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، خدا کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا، زنا نہ کرنا، اور چوری نہ کرنا۔

۶. اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ پس اپنے رب کی

عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، پوری خوشدلی کے ساتھ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو، بیت اللہ کا حج کرو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ ایسا کرو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

۷. اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے اور تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ صاحبِ کردار ہے۔

۸. اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبائل اور اقوام میں صرف باہمی تعارف اور پہچان کے لیے تقسیم کیا ہے۔ جبکہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ اور کردار کے۔

۹. خبردار! جاہلیت کی ہر رسم اور روایت آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔

۱۰. جاہلیت کے دور کا ہر خون (بدلہ)، ہر (حرام) مال، اور باہمی فخر و مباہات کی ہر بات قیامت تک کے لیے میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن کر دی گئی ہے۔

۱۱. خبردار! جاہلیت کے دور کا ہر سود ختم کیا جاتا ہے، تم صرف اصل مال کے حقدار ہو، نہ ظلم کرو گے اور نہ ظلم کیے جاؤ گے۔ چنانچہ میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا لوگوں کے ذمے جو سودی قرضہ ہے اس کا سود سارے کا سارا معاف کیا جاتا ہے۔

۱۲. اے لوگو! تمہارے مال، تمہاری عزتیں، تمہارے خون اور تمہارے چمڑے ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن کی، آج کے مہینے کی اور اس مقدس شہر کی حرمت ہے۔

۱۳. مسلمان کی حرمت مسلمان کے لیے اسی طرح محترم ہے جیسے آج کے دن کی حرمت ہے۔ ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی غیبت کرتے ہوئے اس کا گوشت کھانا حرام ہے، اس کی عزت پامال کرنا حرام ہے، اس کے چہرے پر تھپڑ مارنا حرام ہے، اس کا خون بہانا حرام ہے، ظلم کے ساتھ اس کا مال لینا حرام ہے، اس کو اذیت دینا حرام ہے، اور اس کو

دھکا تک دینا حرام ہے۔

۱۴۔ خبردار! عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔ وہ تمہارے پاس امانت ہیں اور تم اس کے علاوہ ان پر کسی قسم کا حق نہیں رکھتے، سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں ان کے بستروں میں الگ کر دو اور ان کو اتنا مار سکتے ہو کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر زیادتی کی راہ نہ ڈھونڈو۔ آگاہ رہو کہ تمہارے بھی تمہاری عورتوں پر حقوق ہیں اور عورتوں کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو تمہارا بستر پامال نہ کرنے دیں جسے کہ تم ناپسند کرتے ہو، اور نہ تمہارے ناپسندیدہ افراد کو تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت دیں۔ اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم عرف کے مطابق ان کا رزق اور پوشاک انہیں مہیا کرنے میں بہترین طریقہ اختیار کرو۔

۱۵۔ اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔ جو تم کھاتے ہو انہیں بھی کھلاؤ، جو تم خود پہنتے ہو انہیں بھی پہناؤ، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو بیچ دو لیکن انہیں عذاب نہ دو۔

۱۶۔ میں تمہیں پڑوسی کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔ راوی ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ یہ بات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بار دہرائی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ آپؐ شاید پڑوسی کو وراثت میں بھی حصہ دار بنادیں گے۔

۱۷۔ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے۔ پوچھا گیا کہ کیا کھانا بھی نہیں، فرمایا کہ وہ تو ہمارا بہترین مال ہے۔

۱۸۔ کیا میں تمہیں خبر دوں کہ مومن کون ہے؟ مومن وہ شخص ہے جسے لوگ اپنے مالوں اور جانوں پر امین سمجھیں، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے، اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور غلطیوں کو ترک کر دے۔

۱۹۔ کوئی بھی زیادتی کرنے والا اس کا خمیازہ خود بھگتے گا۔ نہ باپ کی زیادتی کا بدلہ بیٹے سے لیا

جائے اور نہ بیٹے کی زیادتی کا بدلہ اس کے باپ سے لیا جائے، اور نہ کسی بھائی کو اس کے بھائی کے جرم میں پکڑا جائے۔

۲۰. میری بات سنو! زندگی پاجاؤ گے۔ خبردار! ظلم نہ کرنا، خبردار! ظلم نہ کرنا، خبردار! ظلم نہ کرنا۔ اور کسی شخص کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔

۲۱. بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا جس کے نکاح میں عورت ہوگی جبکہ زنا کرنے والے کے لیے پتھر ہیں۔ جس نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کی، اور جس غلام نے اپنی نسبت اپنے مالک کے علاوہ کسی طرف کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بدلہ یا تاوان قبول نہیں کرے گا۔

۲۲. اگر کسی کان کٹے ہوئے سیاہ فام غلام کو بھی تم پر امیر مقرر کیا جائے تو اس کی اطاعت کرو جب تک کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق چلاتا رہے۔

۲۳. کبیرہ گناہ یہ ہیں: شرک کرنا، کسی مومن کو ناحق قتل کرنا، میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا۔

۲۴. شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے علاقوں میں اس کی کبھی عبادت کی جائے گی۔ ہاں ان اعمال میں اس کی ضرورت اطاعت کی جائے گی جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو اور وہ اسی پر خوش رہے گا۔

۲۵. اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگا: اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے پیغمبرؐ کی سنت۔

۲۶. تم پر لازم ہے کہ قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامو۔ اور تم ایسے لوگوں کے پاس پہنچو گے جو میری باتیں سننے کے خواہش مند ہوں گے۔ بس جس نے میری کوئی بات اچھی طرح سمجھ کر یاد کی ہے وہ اس کو بیان کردے، اور جس نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

معراج النبی ﷺ

۲۰ جولائی ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۷ رجب ۱۴۳۰ھ کو
جامع مسجد جلال آباد، پیٹرسن، نیوجرسی، امریکہ میں ایک دینی اجتماع سے خطاب

اسراء اور معراج کے سفر

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ معراج اور اسراء جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں:

- اسراء اس سفر کو کہتے ہیں جو نبی اکرمؐ نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کیا،
- اور معراج وہ سفر ہے جو زمین سے ساتوں آسمانوں اور اس سے آگے سدرۃ المنتہیٰ تک ہوا، اور اس میں رسالت مآبؐ نے سات آسمانوں، عرش و کرسی، اور جنت و دوزخ کے بہت سے مناظر دیکھے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے اور سینکڑوں احادیث میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔

عام طور پر روایات میں آتا ہے کہ یہ دونوں سفر ایک ہی رات میں ہوئے اور نبوت کے گیارہویں سال ۲۷ویں رجب کو اس عظیم الشان معجزے کا ظہور ہوا۔ اور اسی کو جناب نبی اکرمؐ کے عظیم الشان معجزات میں شمار کیا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ دونوں سفر بیداری کی حالت میں جسم مبارک کے ساتھ ایک ہی رات میں ہوئے۔ چونکہ یہ سب کچھ عام حالات و اسباب میں ممکن نہیں ہے اسی لیے یہ سفر معجزہ کہلاتا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

معجزات کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات عطا فرمائے ہیں اور جناب نبی اکرمؐ کی ذات گرامی سے بھی سینکڑوں معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ معجزات کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا

عقیدہ یہ ہے کہ کسی معجزاتی واقعہ کے ثبوت کے لیے روایت میں تو بحث واختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے یا نہیں، اس کی سند درست ہے یا نہیں، لیکن اگر کوئی واقعہ صحیح روایت اور سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے، وغیرہ۔ اس لیے کہ معجزہ اگرچہ پیغمبر کے ہاتھ پر اس کی صداقت کے اظہار کے لیے ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور فعل سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی کام بھی ناممکن نہیں ہے وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے کسی وقت اور کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اس لیے ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جناب نبی اکرمؐ کو معراج کی شب مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور زمین سے سات آسمانوں، عرش وکرسی اور جنت ودوزخ کی سیر کرائی اور یہ سارا سفر حالت بیداری میں جسم مبارک کے ساتھ ہوا۔ اس کی تفصیلات خود آنحضرتؐ نے بیان فرمائیں جو سینکڑوں احادیث مبارکہ میں مذکور ومحفوظ ہیں۔

خواب کا مغالطہ

لیکن اس کے علاوہ متعدد مواقع پر خواب میں بھی آپؐ کو جنت ودوزخ اور کائنات کے مختلف مناظر دکھائے گئے جن کا تذکرہ احادیث میں خواب کے حوالہ سے موجود ہے۔ اور یہیں سے کچھ حضرات کو مغالطہ ہوا ہے کہ معراج بھی شاید خواب کا واقعہ ہے۔ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے خواب کے واقعات بھی ہوئے اور معراج واسراء کا معروف واقعہ بیداری کے ساتھ جسمانی طور پر ہوا، اور اسی کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ ورنہ خواب کی بات ہو تو اسے معجزہ کا عنوان دینے کی ضرورت نظر نہیں آتی اس لیے کہ خواب میں تو ہم بھی خدا جانے کہاں کہاں کی سیر کرتے رہتے ہیں اور اس میں کوئی معجزاتی بات نہیں ہے۔

نبوی خواب کی حیثیت

البتہ ایک بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے خواب میں اور حضرات انبیاء کرامؑ کے خواب میں فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمارا خواب ضروری نہیں کہ سچا اور درست ہو، شیطانی خیالات بھی

ہوسکتے ہیں، نفسانی تخیلات بھی ہوسکتے ہیں، اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوسکتے ہیں۔ اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ پیغمبر کے سوا کسی کا خواب حجت اور دلیل نہیں بن سکتا جبکہ پیغمبر کا خواب حجت اور دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نبی کے خواب اور بیداری میں کوئی فرق نہیں ہے اور بیداری کی طرح خواب کی وحی بھی حجت اور دلیل ہے۔

پیغمبر کا خواب اس درجہ کی وحی اور حجت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر تیار ہوگئے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی والد محترم کے سامنے اپنی گردن ذبح کے لیے پیش کردی، بلکہ اپنی طرف سے باپ نے ذبح کردیا اور بیٹا ذبح ہوگیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح ہونے سے اپنی قدرت کے ساتھ بچا لیا۔ اس سارے واقعہ کی بنیاد خواب پر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر کا خواب بھی اس کی بیداری کی طرح وحی کا درجہ رکھتا ہے۔

اس بنیاد پر یہ عرض کرنا شاید نامناسب بات نہ ہو کہ جناب نبی اکرمؐ کے حوالہ سے تو ان کے خواب کے اسفار اور بیداری کے سفر میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں قسم کے مشاہدات حقیقی اور واقعاتی ہیں، البتہ ہمارے لیے دونوں کی حیثیت اس پہلو سے الگ الگ ہے کہ حضورؐ کا بیداری کی حالت میں معراج و اسراء کا سفر معجزہ ہے، جبکہ خواب کے اس قسم کے اسفار کو معجزات میں شمار نہیں کیا جاتا۔

اس تمہید کے ساتھ یہ گزارش کروں گا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج اور اسراء کا ہمارے ساتھ تعلق ایک تو اس حوالہ سے ہے کہ یہ ہمارے ایمان و عقیدہ کا حصہ ہے، اور دوسرا تعلق اس پہلو سے ہے کہ ان میں ہمارے لیے سبق اور عمل کے بہت سے پہلو ہیں۔ ہماری اصل ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ان واقعات سے سبق حاصل کریں اور ان میں ہمارے لیے جو پیغامات اور تعلیمات ہیں ان پر عملدرآمد کا اہتمام کریں۔ چنانچہ خواب اور بیداری کے ان واقعات میں سے، جو سینکڑوں احادیث مبارکہ میں بکھرے ہوئے ہیں، دو واقعات کا تذکرہ کروں گا۔ ایک واقعہ خواب کا ہے اور دوسرا بیداری کے معراج کا ہے۔

خلط ملط اعمال کرنے والوں کا خواب

جناب نبی اکرمؐ کا معمول مبارک یہ تھا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد اشراق کے وقت تک مسجد میں ہی تشریف فرما ہوتے تھے اور اس دوران مختلف نوعیت کی باتیں ہوتی رہتی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کسی صحابی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ اپنا خواب بیان کرتا تھا اور آنحضرتؐ اس کی تعبیر بتا دیتے تھے۔ بسا اوقات آپؐ پوچھ بھی لیتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے، کبھی حضورؐ اپنا خواب بیان فرماتے تھے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور اس کی تعبیر بیان فرماتے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایت سے جناب نبی اکرمؐ کا ایک طویل خواب مذکور ہے جس کا ایک حصہ عرض کر رہا ہوں۔

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا، ہم چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچے جو بہت خوبصورت تھی، اتنی خوبصورت بستی میں نے اس سے قبل نہیں دیکھی تھی، خوبصورت عمارتیں، کشادہ راستے، صاف ستھرا ماحول، غور سے دیکھا تو نظر آیا کہ عمارتیں سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں۔ میں نے ساتھ والے دو شخصوں سے پوچھا کہ یہ بستی کون سی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آگے چلیں بعد میں بتائیں گے۔ ہم آگے چلے تو بستی کے ایک طرف صاف ستھرے پانی کی ایک بڑی نہر ہے جس میں روانی کے ساتھ پانی چل رہا ہے، میں نے دیکھا کہ بستی کی دوسری طرف لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ہے جو بستی کی طرف بڑھ رہا ہے مگر ان کے چہرے عجیب ہیں ”نصفهم كأحسن مارأيت و نصفهم كأقبح ما رأيت“ چہرے کا نصف حصہ اتنا خوبصورت ہے جتنا خوبصورت تم دیکھ سکو، اور چہرے کا باقی نصف اتنا بدصورت ہے جتنا بدصورت تم دیکھ سکو۔ میں نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آگے چلیں بعد میں بتائیں گے۔ اتنے میں میرے ساتھیوں نے ہجوم والوں کو آواز دی کہ سب اس نہر میں کود جاؤ وہ سب نہر میں کود گئے اور اس میں دو دو چار چار غوطے لگاتے ہوئے تیر کر دوسرے کنارے سے بستی میں داخل ہونا شروع ہو گئے، میں نے دیکھا کہ نہر میں چھلانگ لگانے اور غوطے کھانے سے ان کے چہروں کی ساری بدصورتی غائب ہو گئی اور وہ انتہائی خوبصورت چہروں کے

ساتھ اس بستی میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد میرے ان دو ساتھیوں نے جو مجھے لے کر آئے تھے بتایا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور ہماری آج کی ڈیوٹی آپ کو یہ مناظر دکھانے کی ہے۔ یہ بستی عدن ہے جو جنت کا وہ حصہ ہے جہاں آنجناب کا قیام ہو گا، یہ بستی کی طرف بڑھنے والے لوگوں کا ہجوم آپ کی امت کے ان لوگوں کا ہے جو ''خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئا'' نیکی اور بدی کے کام گڈمڈ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اچھے اعمال بھی کیے اور برے اعمال بھی کرتے رہے اور ان کے معمولات میں نیکی اور گناہ کے اعمال خلط ملط چلتے رہے۔ ان کے چہروں پر ان کے اپنے اعمال کا پرتُو ہے، نیکی اور خیر کے اعمال حسن کی صورت میں جبکہ گناہ اور شر کے اعمال قبح کی صورت میں ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہے تھے۔ اور جس نہر میں چھلانگ لگا کر انہوں نے قبح اور بدصورتی سے نجات پائی ہے یہ توبہ اور استغفار کی نہر ہے جس میں نہانے سے ان کے چہروں سے ساری بدصورتی صاف ہو گئی اور وہ خوبصورت چہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہو گئے۔

توبہ استغفار اور غسل کی مماثلت

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا یہ قصہ ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہوں سے نجات اور اعمالِ شر کے اثرات ختم کرنے کے لیے توبہ اور استغفار کا راستہ بتایا ہے اور تلقین فرمائی ہے کہ ہم توبہ اور استغفار کرتے رہیں تاکہ گناہوں سے اور ان کے اثرات سے پاک ہو سکیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے جسم پر میل کچیل جمتی ہے، پسینہ آتا ہے اور بدبو پیدا ہوتی ہے، جس کا علاج یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً غسل کرتے رہیں۔ اگر غسل کرتے رہیں گے تو جسم کی بدبو، پسینہ اور میل کچیل ساتھ ساتھ صاف ہوتی رہے گی۔ اور اگر غسل کی عادت اور معمول نہیں ہو گا تو رفتہ رفتہ یہ میل کچیل جسم کا حصہ بن جائے گی اور ایک وقت آئے گا کہ غسل بھی فائدہ نہیں دے گا۔ یا جیسے استعمال ہونے والے کپڑے ہیں کہ ان پر گرد بھی لگے گی، داغ بھی جمیں گے، پسینہ اور میل کچیل بھی ان کو میلا کرے گی اور ان سے بدبو بھی آئے گی۔ ان سب کا علاج یہ ہے کہ ان کو وقفہ وقفہ سے دھویا جاتا رہے، کپڑے استعمال ہوں گے اور ساتھ ساتھ وقفہ وقفہ سے دھلتے رہیں گے تو صاف رہیں گے، لیکن اگر استعمال تو ہو رہے ہیں مگر

دھل نہیں رہے تو یہ میل کچیل اور داغ ان کے ساتھ پختہ ہوتے چلے جائیں گے اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ کپڑوں کو دھونے کا بھی فائدہ نہیں ہوتا۔

اسی طرح ہمارا جسم اور اس کے ساتھ روح ہے۔ اور ہمیں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ اگر روح کا کنکشن ہے تو یہ انسان ہے ورنہ خالی جسم تو کباڑ کی طرح ہے کہ اسے کوئی بھی گھر میں رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ باپ بیٹے کو دفن کر دیتا ہے اور بیٹا اپنے ہاتھوں باپ کو سپرد خاک کرتا ہے، بیوی خاوند کو گھر میں رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے اور خاوند بیوی کو گھر میں نہیں رکھتا۔

جیسے موبائل فون میں کنکشن ہو تو وہ رابطے کا کام کرتا ہے، اور ہم اپنے موبائل فون کو کارآمد رکھنے کے لیے سیٹ اور کنکشن دونوں کی حفاظت کرتے ہیں اور دونوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ سیٹ کی ضرورت یہ ہے کہ اس کی مشینری صحیح کام کرے اور اس کی بیٹری چارج ہوتی رہے، جبکہ کنکشن کی ضرورت یہ ہے کہ وہ برقرار رہے اور اس کو ضرورت کے مطابق بیلنس ملتا رہے۔ اسی طرح انسان ہے جو جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے، جسم کی ضروریات کی طرف تو ہماری توجہ ہوتی ہے اور ہم اس دنیا میں اس کے لیے جو کچھ ہمارے بس میں ہو کرتے رہتے ہیں لیکن روح کی ضروریات کی طرف ہماری توجہ نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ جسم کے ساتھ کنکشن رکھتے ہوئے بھی ڈیڈ ہو جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح جسم میلا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ گرد اور بدبو لگتی ہے جس کا علاج ہم غسل کے ساتھ کرتے ہیں، اسی طرح روح بھی میلی ہوتی ہے، نفسانی خواہشات، گناہ، شیطانی خیالات اور برے اعمال انسان کی روح کو میلا کر دیتے ہیں، اسے بدبودار بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا غسل بھی اگر ساتھ ساتھ ہوتا رہے تو وہ صاف رہتی ہے ورنہ میل اور بدبو رفتہ رفتہ اسے اس حال میں کر دیتی ہے کہ میل اور بدبو کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے، اسی حالت کو قرآن کریم نے دلوں کے گرد غلاف چڑھ جانے سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ پھر دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور ان میں حق اور خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ روح کا غسل نماز کے ساتھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت سے ہوتا ہے، جناب نبی اکرمؐ پر درود شریف پڑھنے سے ہوتا ہے اور توبہ و استغفار کی کثرت سے ہوتا ہے۔ اور جناب رسول اکرمؐ کے اس خواب

کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی کی بات کی تعلیم دی ہے۔

امتِ محمدیہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام

دوسرا واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تاریخی سفر معراج واسراء کا بیان کروں گا جو ایک بڑا معجزہ ہے، بیداری کی حالت میں ہوا ہے، جسم مبارک کے ساتھ ہوا ہے اور اس کی مختلف تفصیلات آنحضرتؐ سے سینکڑوں احادیث مبارکہ میں منقول ہیں۔ ترمذی شریف کی ایک روایت کے مطابق جناب نبی اکرمؐ نے جب جنت میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی تو حضرت ابراہیمؑ نے آنحضرتؐ کی امت کے لیے آپ کو دو پیغام دیے۔ وہ دو پیغام میں آج کی اس محفل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آنحضرتؐ کی اس سفرِ معراج و اسراء میں تین بار ملاقات ہوئی۔ پہلی بار جب تمام انبیاء کرامؑ بیت المقدس میں جمع ہوئے اور سب نے نبی اکرمؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔ دوسری بار فرشتوں کے قبلہ بیت المعمور کے پاس ان دو بزرگوں کی ملاقات کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ اور تیسری ملاقات کا ذکر ترمذی شریف کی اس روایت میں ہے جو جنت میں ہوئی ہے اور اس میں حضرت ابراہیمؑ نے جناب نبی اکرمؐ کے ذریعے آپؐ کی امت کے لیے دو پیغامات دیے:

۱. ایک یہ کہ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دیجیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ ہمیں سلام بھیج رہے ہیں، اور وہ بھی جناب نبی اکرمؐ کے ذریعہ سے۔ اس لیے یہ سلام سن کر ہم سب کو سنت کے مطابق اس کا جواب دینا چاہیے۔

۲. دوسرا پیغام یہ ہے کہ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ ''ان الجنة ارضها طيب و ماء ها عذب و انما هي القيعان ، غرسها سبحان الله و الحمد لله و الله اكبر و لا اله الا الله'' بے شک جنت کی زمین عمدہ ہے اور پانی میٹھا ہے لیکن وہ چٹیل میدان ہے، اسے ذکرِ الٰہی کے ذریعے خود آباد کرنا ہوگا۔

انسانوں کے لیے جنت اور دوزخ کا فیصلہ

یعنی جنت انسانوں کے رہنے کے قابل ہے لیکن خالی پلاٹ ملے گا اور وہاں تعمیر اور آبادی خود کرنا ہوگی۔ دنیا میں کسی بھی جگہ آبادی کے لیے اور بسنے کے لیے سب سے پہلے زمین اور پانی کو چیک کیا جاتا ہے اور پھر وہاں بستی بسانے اور انسانوں کو آباد کرنے کا پلان کیا جاتا ہے۔ آج کل ہمارے سائنسدان مختلف سیاروں میں انسانی زندگی کے امکانات تلاش کر رہے ہیں، پانی آکسیجن اور ہوا وغیرہ کی تلاش جاری ہے اور اس بات کا جائزہ لیا جا رہا ہے کہ انسانوں کو اگر کسی دوسرے سیارے میں آباد ہونا پڑے تو اس کے لیے کونسا سیارہ مناسب رہے گا۔ ویسے بھی ہم نے اس سیارۂ ارضی کا خود اپنے ہاتھوں جو حشر کر دیا ہے بلکہ مسلسل کیے جا رہے ہیں اس کے پیش نظر متبادل جگہ کی تلاش نسل انسانی کی ضرورت بھی ہے کہ ہماری بداعمالیوں اور حرکتوں کی وجہ سے یہ سیارۂ ارضی خدانخواستہ کسی وقت بھی تباہی کا شکار ہو سکتا ہے۔ لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے سائنسدان تو ابھی امکانات کی تلاش میں سرگرداں ہیں جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے چودہ سو سال قبل ایک پیغام کے ذریعے یہ رپورٹ ہمیں بھجوا دی ہے کہ جنت انسانوں کے رہنے کے قابل ہے اور اس کی زمین اور پانی دونوں حیاتِ انسانی کے لیے خوشگوار ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ وارننگ بھی دے دی ہے کہ جنت چٹیل میدان ہے اور جس کو بھی ملے گی خالی پلاٹ کی صورت میں ملے گی، اسے آباد خود کرنا ہوگا اور اس پر شجرکاری، باغات اور سبزہ وغیرہ کا اہتمام انسانوں کو خود کرنا پڑے گا۔

مختلف احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر انسان کو اس کی دنیا میں پیدائش کے ساتھ ہی دو پلاٹ الاٹ ہو جاتے ہیں ایک جنت کا اور دوسرا دوزخ کا، دونوں پلاٹ اس کے ساتھ مختص ہو جاتے ہیں۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کس کو آباد کرتا ہے اور کس کو ویران رہنے دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں جب سوال و جواب کا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے تو

- جنتی اور نیک شخص کے لیے پہلے جہنم کی کھڑکی کھولی جاتی ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر تو نیکی اور ایمان کا راستہ اختیار نہ کرتا تو تیرا یہ ٹھکانہ ہوتا، یہ بتا اور دکھا کر دوزخ کی وہ کھڑکی بند کر دی جاتی ہے اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھولی جاتی ہے۔

- اسی طرح بدکار اور دوزخی کے لیے پہلے جنت کی کھڑکی کھولی جاتی ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر وہ نیکی اور ایمان کا راستہ اختیار کرتا تو اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا، اس کے بعد وہ کھڑکی بند کر کے اس کے لیے جہنم کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔

اس لیے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ کسی بھی انسان کو دنیا میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی جنت اور دوزخ کا ایک ایک پلاٹ الاٹ کر دیا جاتا ہے اور فیصلہ اس کی دنیا کی زندگی اور اس کے ایمان اور اعمال کے حوالہ سے ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کون سا پلاٹ باقی رہ گیا ہے اور کون سا منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے پیغام میں اسی بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جنت کا خالی پلاٹ تو انسان کو مل جاتا ہے لیکن اس کی آبادی اور اس میں سبزہ کاری انسان کی دنیا کی زندگی کے اعمال و ایمان پر موقوف ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ یہ فرما کر کہ "انما ہی القیعان" جنت چٹیل میدان کا نام ہے، اس کی آباد کاری کا طریقہ بھی یہ فرما کر بتاتے ہیں کہ " غرسها سبحان الله و الحمد لله و الله اکبر و لا اله الا الله" جنت کے اس بے آب و گیاہ اور چٹیل میدان کو سرسبز بنانے کے لیے دنیا میں جتنا اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرو گے اور جتنا اپنے مالک و رازق کا ذکر کرو گے اتنا ہی تمہارے جنت کے پلاٹ میں سبزہ اُگے گا اور اتنے ہی وہاں درخت پیدا ہوں گے۔ گویا حضرت ابراہیمؑ نسلِ انسانی کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ زمین کے تباہ ہو جانے کے بعد تمہارے لیے رہنے کے قابل جگہ جنت ہی ہے لیکن اس کے لیے تمہیں محنت دنیا میں کرنی ہوگی اور مرنے سے قبل اس کی تیاری کرنی ہوگی ورنہ وہ پلاٹ کینسل بھی ہو سکتا ہے۔

آخری جنتی کا حصہ

اس کے ساتھ ایک اور بات عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں جنت میں اپنے پلاٹ کو آباد کرنے کے لیے ہمیں اس دنیا میں محنت کرنی ہے اور ہمارے موت سے پہلے کے اعمال اور ایمان کے ساتھ ہی ہمارا جنت کا پلاٹ محفوظ رہے گا اور آباد ہوگا، وہاں ہمیں اس پلاٹ کے سائز کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے تاکہ محنت اس کے مطابق ہو۔ جنت کی بے پناہ وسعت اور اس کی لمبائی اور چوڑائی کا تذکرہ مختلف احادیث میں ملتا ہے، مثلاً جناب نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جنت کے ایک درخت کے

سائے میں تیز رفتار گھوڑا سو سال تک دوڑتا رہے تو اس کا سایہ پھر بھی ختم نہیں ہو گا۔ مگر میں اس حوالہ سے ایک روایت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو مسلم شریف میں ہے اور جس میں اس شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا۔

یہ ایک لمبی روایت ہے لیکن میں اس کا صرف ایک حصہ بیان کروں گا کہ جب جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا شخص جنت کے دروازے سے اندر جائے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ جا کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ وہ ادھر ادھر تلاش کرنے کے بعد عرض کرے گا کہ یا الٰہی مجھے تو کوئی خالی جگہ نہیں مل رہی، سب زمینیں ریزرو ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائیں گے کہ جا کر اپنی جگہ تلاش کرو، وہ دوبارہ گھوم پھر کر واپس آئے گا اور عرض کرے گا مولائے کریم! مجھے تو کوئی خالی جگہ نظر نہیں آ رہی۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتاؤ کتنی جگہ چاہیے؟ جس زمین پر تم رہ کر آئے ہو، اس پوری زمین جتنی جگہ دے دوں؟ وہ عرض کرے گا "اتستهزء بي وأنت رب العالمين؟" یا اللہ! رب العالمین ہو کر میرے ساتھ استہزا کر رہے ہو؟ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ بات سن کر ہنسیں گے اور فرمائیں گے کہ میں تم سے استہزا نہیں کر رہا "لک الارض و عشرة امثالها" بلکہ پوری زمین اور اس جیسی دس زمینیں اور میں نے تمہیں عطا کر دی ہیں۔ یعنی یہ کرّہ ارضی اور اس جیسی دس زمینیں اس شخص کو ملیں گی جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا، اسی سے جنت کے پلاٹوں کے سائز کا اندازہ کر لیں اور اس بات کا بھی اندازہ کر لیں کہ اس پلاٹ کو آباد کرنے اور اسے اپنے لیے محفوظ رکھنے کی خاطر ہمیں دنیا میں کس قدر محنت درکار ہے۔

حضرات محترم! میں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج و اسراء کے دونوں پہلوؤں یعنی بیداری کے معراج اور خواب کے معراج کے حوالہ سے دو مختصر واقعات آپ کے سامنے بیان کیے ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ ہم آنحضرتؐ کے معجزات پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے اپنے لیے سبق اور پیغام بھی تلاش کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ہماری یہ دنیا کی زندگی کارآمد ہو اور ہم یہاں سے سرخرو واپس جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔

سنتِ ابراہیمیؑ اور اسوۂ نبویؐ

۲۸ نومبر ۲۰۰۹ء کو مرکزی عید گاہ اہلسنت مبارک شاہ روڈ گوجرانوالہ میں
نمازِ عیدالاضحیٰ کے اجتماع سے خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آج عید کا دن ہے، قربانی کی عید جس میں دنیا بھر کے مسلمان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کرنے کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

قربانی کی تاریخ اور صورتیں

یہ قربانی نسلِ انسانی کے آغاز سے چلی آ رہی ہے، قرآن کریم نے سب سے پہلی قربانی کا حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ان کا رشتے پر جھگڑا ہو گیا تھا، فیصلے کے لیے انہیں قربانی پیش کرنے کو کہا گیا، دونوں نے قربانی پیش کی، ایک کی قبول ہوئی جو اس کے حق میں فیصلے کی علامت تھی، لیکن دوسرے نے غصے اور انتقام میں بھائی کو قتل کر دیا۔

اس دور میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ قربانی، خواہ جانور کی صورت ہو میں یا کسی اور شکل میں، اسے میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے آگ آکر اسے جلا دیتی تھی، جو اس قربانی کے قبول ہو جانے کی علامت ہوتی تھی۔ آسمانی آگ سے جل جانے والی یہ قربانی موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھی جس کا ذکر بائبل میں ''سوختنی قربانی'' کے نام سے موجود ہے، اور قرآن کریم میں بھی اس حوالہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب یہود مدینہ نے جناب نبی اکرمؐ سے کہا کہ وہ کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک وہ ''حتیٰ یاتینا بقربان تأکلہ النار'' (آل عمران ۱۸۳) ایسی قربانی نہ پیش کر دے جسے آگ جلا ڈالے۔ یہ وہی سوختنی قربانی ہے جو بنی اسرائیل میں

رائج تھی اور اسی کا جناب نبی اکرمؐ سے مدینہ منورہ کے یہودیوں نے تقاضا کیا تھا۔ اس کا جواب قرآن کریم نے یہودیوں کو یہ دیا کہ پھر تم نے بنی اسرائیل کے ان انبیاء اکرام علیہم السلام کو کیوں قتل کر دیا تھا؟ جو دیگر واضح دلائل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تمہارے کہنے کے مطابق سوختنی قربانی بھی پیش کر چکے تھے۔

یہاں یہ بات عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قربانی کی تاریخ بہت پرانی ہے:

- اس کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے حوالہ سے ملتا ہے،
- بنی اسرائیل کے حوالہ سے بھی موجود ہے،
- اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا تو قرآن کریم نے اہتمام اور تفصیل کے ساتھ کیا ہے کہ انہوں نے جب خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو اسے حکم خداوندی سمجھتے ہوئے اس کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب

اللہ تعالیٰ کے نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، حجت ہوتا ہے اور دلیل ہوتا ہے۔ یہ ہمارے آپ کے خواب کی بات نہیں کہ کبھی سچا بھی ہو جاتا ہے مگر اکثر غلط ہی ہوتا ہے، اسی لیے وہ حجت اور دلیل نہیں ہے۔ جبکہ پیغمبر کے خواب اور بیداری میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور جیسے پیغمبر پر بیداری میں نازل ہونے والی بات وحی ہوتی ہے اسی طرح خواب میں ہونے والا اشارہ بھی وحی کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ خواب اپنے جواں سال اور اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتایا تو وہ بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ یہ پیغمبر کا خواب ہے اس لیے کسی تردد اور تذبذب کے بغیر تیار ہو گئے۔ کوئی تفصیل نہیں پوچھی، کوئی وجہ دریافت نہیں کی، بے ساختہ جواب دیا ''یا أبت افعل ما تؤمر'' (الصافات ۱۰۲) ابا جان جو حکم ہوا ہے کر گزریے، مجھے آپ صبر و حوصلہ کے ساتھ تعمیل کرنے والا پائیں گے۔ ''فلما اسلما وتلّه للجبين'' (الصافات ۱۰۳) دونوں یعنی باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے پیشانی کے بل زمین پر لٹا دیا۔ باپ نے اپنی طرف سے ذبح کر دیا اور بیٹا اپنے تئیں ذبح ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا،

آواز آئی ”قد صدقت الرؤیا“ (الصافات ۱۰۵) اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ یہ آزمائش تھی جس میں پورا اترنے کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی زندگی بھی بچالی اور باپ بیٹے کو قربانی کی قبولیت کا پروانہ بھی دے دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو ذبحِ عظیم سے نوازا اور ”وترکنا علیه فی الآخرین“ (الصافات ۱۰۸) ہم نے اس سنت پر بعد والوں کو قائم کر دیا۔

قربانی، نبی اکرمؐ کے ارشاد و عمل کی روشنی میں

اسی لیے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ”ما هذه الأضاحی یا رسول الله؟“ یا رسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ تو جواب میں فرمایا کہ ”سنة ابیکم ابراهیم“ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ نبی اکرمؐ نے اسے حضرت ابراہیمؑ کی سنت بھی فرمایا اور خود اپنی سنت سے بھی تعبیر کیا۔

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے عید کی نماز ادا کرنے کے بعد قربانی کی ”فقد أصاب سنتنا“ اس نے ہماری سنت کو پا لیا۔ اس لیے قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت بھی ہے اور جناب نبی اکرمؐ کی سنت مبارکہ بھی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرمؐ نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ ہر سال دو مینڈھے قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھے قربانی دیتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ جناب نبی اکرمؐ قربانی میں دو مینڈھے ذبح کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک جانور اپنی طرف سے قربان کر رہا ہوں اور دوسرا اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے ذبح کر رہا ہوں جو قربانی نہیں کر سکیں گے۔ یہاں ایک فرق ذہن میں رکھیں کہ نبی اکرمؐ نے قربانی امت کے ان افراد کی طرف سے کی ہے جو قربانی نہیں کر سکیں گے اور اس کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں گے، ان کی طرف سے نہیں کی جو استطاعت رکھتے ہوئے بھی قربانی نہیں کریں گے۔ ان کے بارے میں الگ حکم بیان فرمایا کہ ”من وجد سعةً ولم یضح فلا یقر بن مصلانا“ جس نے قربانی کی استطاعت پائی

اور قربانی نہیں کی وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ یہ لاتعلقی ہے اور برأت کا اظہار ہے ان لوگوں سے جو استطاعت رکھتے ہوئے بھی قربانی نہیں کریں گے۔ البتہ جو لوگ استطاعت نہیں رکھتے ہوں گے اور ناداری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکیں گے انہیں بھی محروم نہیں رکھا اور فرمایا کہ ان کی طرف سے میں قربانی کر کے جا رہا ہوں۔

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اپنی قدر و قیمت اور عظمت کے اعتبار سے کون سی قربانی بڑی ہے؟ ان کی قربانی جو خود قربانی کر رہے ہیں یا ان کی قربانی جن کی طرف سے نبی اکرمؐ نے قربانی کی تھی؟ میرا ایمان ہے کہ نبی اکرمؐ کی ایک قربانی پوری امت کے لیے کافی ہے اور نبی اکرمؐ کے مبارک ہاتھوں سے کی جانے والی قربانی کی طرف نسبت بھی ایک مسلمان کے لیے باعثِ سعادت و نجات ہے۔ بہرحال نبی اکرمؐ نے خود قربانی کی ہے اور امت کو قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جناب نبی اکرمؐ نے بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ میرے سپرد کیا اور فرمایا کہ اسے میرے صحابہ میں قربانی کے لیے تقسیم کر دو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو جانور عید قربان پر ذبح کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے نبی اکرمؐ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی طرف سے بھی قربانی دیا کروں، اس لیے میں ایک جانور آپؐ کی طرف سے ذبح کیا کرتا ہوں۔

چند مغالطوں کا ازالہ

آج کل بعض لوگوں کی طرف سے یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ قربانی صرف اس لیے تھی کہ حج کے موقع پر منیٰ میں حاجیوں کی بڑی تعداد جمع ہو جاتی ہے، ان کی مہمان نوازی کے لیے کچھ جانور ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن یہ بہت بڑا مغالطہ ہے، اس لیے کہ میں نے آپ کے سامنے قربانی کے بارے میں جتنی روایات کا ذکر کیا ہے ان سب کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے اور یہ ساری قربانیاں مدینہ منورہ میں ہوئی ہیں، کوفہ میں ہوئی ہیں، اور بصرہ میں ہوتی رہی ہیں۔

قربانی کے بارے میں ایک مغالطہ اور بھی دیا جاتا ہے کہ قربانی کے لیے جانور ذبح کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی بجائے نقد رقم خرچ کر کے بھی یہ ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے اور قربانی کا مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی قطعی طور پر غلط ہے اس لیے کہ قربانی عبادت ہے اور کسی عبادت کی جو صورت جناب

نبی اکرمؐ نے متعیّن فرمادی ہے وہ اسی صورت میں ادا ہوگی تو عبادت شمار ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ مثلاً فجر کی نماز میں دو رکعت فرض ہیں جو ایک خاص کیفیت میں ادا کی جاتی ہیں، کوئی صاحب ان کی بجائے فجر کا سارا وقت قرآن کریم کی تلاوت میں گزار دیں اور کہیں کہ میں نے عبادت ہی تو کی ہے بلکہ زیادہ وقت صَرف کیا ہے، تو ان کی دو گھنٹے تلاوت آٹھ دس منٹ میں پڑھی جانے والی دو رکعتوں کا متبادل نہیں ہو گی، اور وہ فرض نماز کے تارک متصور ہوں گے۔ اسی طرح اگر کسی شخص پر حج فرض ہو گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں حج پر دو لاکھ روپے خرچ کرنے کی بجائے دس لاکھ روپے کسی مسجد پر لگا دیتا ہوں، تو دس لاکھ نہیں بلکہ دس کروڑ لگا کر اگر وہ انتہائی خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کر دے تب بھی یہ اس کے حج کا متبادل نہیں ہو گا، اور وہ شخص فریضۂ حج کے ترک کا مرتکب قرار پائے گا۔ اسی طرح قربانی اسی صورت میں قبول ہوگی جس شکل میں جناب نبی اکرمؐ نے اس کا حکم دیا ہے، اس سے ہٹ کر اس کی جگہ دس گنا رقم بھی خرچ کر دی جائے تو وہ قربانی متصور نہیں ہوگی۔

میں اس پر بخاری شریف کی ایک روایت کا حوالہ دینا چاہوں گا، اس روایت کی تفصیل سن کر خود آپ لوگ فیصلہ کر لیں کہ قربانی کس شکل میں قبول ہوتی ہے اور کس صورت میں قبول نہیں ہوتی۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق جناب نبی اکرمؐ نے ایک بار عید الاضحیٰ کے خطبہ میں فرمایا کہ قربانی کے دن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے عید کی نماز ادا کی جائے اور اس کے بعد قربانی کی جائے، جس نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی اور اسے دوبارہ قربانی کرنا ہوگی۔ یہ سن کر ایک صحابی حضرت ابو بردہ بن نیارؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو نماز کے لیے گھر سے روانہ ہونے سے قبل قربانی کی نیت سے جانور ذبح کر کے آیا ہوں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ عام گوشت کی طرح ہے جو تم نے اپنے گھر والوں کو کھلایا ہے، اس کی جگہ تمہیں دوسرا جانور ذبح کرنا ہو گا۔ حضرت ابو بردہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں مگر میرے پاس اب ایک جانور ہے جو عمر میں کم ہے اور قربانی کے لیے عمر کی شرط پوری نہیں کرتا، کیا میں اسے ذبح کر سکتا ہوں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تمہیں بطور خاص اس کی اجازت دے رہا ہوں تم اس کم عمر والے جانور کو ذبح کر سکتے ہو، لیکن تمہارے علاوہ کسی اور کو یہ رعایت حاصل نہیں ہوگی۔

اس روایت سے دو باتیں بالکل واضح ہیں (۱) ایک یہ کہ قربانی میں جانور ہی ذبح کرنا ہے (۲) اور

دوسری یہ کہ جانور بھی عمر اور وقت کی شرط کے مطابق ذبح ہوگا تو قربانی ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ اس لیے میں آپ سب حضرات سے عرض کرتا ہوں کہ قربانی سنت کے مطابق اور جناب نبی اکرمؐ کی ہدایات کے مطابق ادا کریں اور آج کل کے ''زیادہ پڑھے لکھے'' لوگوں کی باتوں کی طرف نہ جائیں جو خود بھی کنفیوژڈ ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی کنفیوژن کا شکار کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

قربانی کا مقصد اور مصرَف

قربانی کے حوالہ سے ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ قربانی کا ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور وہ انسان کا خلوص اور اس کی نیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں تمہارے جانور کے گوشت اور خون سے کوئی غرض نہیں ہے ''ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم'' (الحج ۳۷) اللہ تعالیٰ کے پاس تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے یعنی تمہاری نیت اور خلوص کا اعتبار ہوتا ہے۔ یہ تو قربانی کا وہ پہلو ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور یہ خدا اور اس کے بندے کا معاملہ ہے، جبکہ قربانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی مہمانی ہے، یعنی کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ذریعہ بناتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے بن کر اس کے بندوں کو ان دنوں میں کھلائیں پلائیں۔ گویا قربانی کرنے والے کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے کارندے کی ہے اور یہ بہت بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔ اس لیے اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے کہ اپنے محلہ میں، برادری میں اور اردگرد کے ماحول پر نظر رکھیں کہ کوئی شخص اس سے محروم نہ رہ جائے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک بار عید الاضحیٰ کے موقع پر کچھ قبائل کے مفلوک الحال لوگ مدینہ منورہ آئے ہوتے تھے، ان کی رعایت کرتے ہوئے جناب نبی اکرمؐ نے عید کے خطبے میں اعلان فرما دیا کہ کسی شخص کے گھر میں تیسرے دن کے بعد گوشت کا کوئی حصہ باقی نہ رہے۔ مقصد یہ تھا کہ قربانی کے گوشت کو بچا کر نہ رکھا جائے بلکہ سارے کا سارا لوگوں کو کھلا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کسی صحابی نے گوشت کی ایک بوٹی بھی تین دن کے بعد گھر میں بچا کر نہ رکھی۔ اگلے سال عید الاضحیٰ کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ کیا تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت گھر میں نہ رکھنے کا حکم اب بھی باقی ہے یا وہ صرف گزشتہ سال کے لیے تھا؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ حکم صرف گزشتہ سال

کے لیے تھا، اب تم گوشت کھا بھی سکتے ہو اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔ اتفاق سے حضرت ابو سعید خدریؓ کو یہ دوسرا حکم معلوم نہیں تھا، وہ سفر پر تھے، واپس آئے تو گھر والوں نے کھانے میں گوشت پیش کیا اور بتایا کہ قربانی کا گوشت ہم نے بچا کر رکھا ہوا تھا، انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک نبی اکرمؐ سے خود نہ پوچھ لوں میں یہ گوشت نہیں کھاؤں گا۔ نبی اکرمؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پابندی والا حکم صرف گزشتہ سال کے لیے تھا کہ اس موقع پر کچھ مفلوک الحال اور نادار لوگ آئے ہوئے تھے ان کی وجہ سے میں نے یہ پابندی لگا دی تھی، اور اس سال میں نے اجازت دے دی ہے کہ قربانی کا گوشت کھا سکتے ہو اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔

اس روایت کے حوالہ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چند مفلوک الحال لوگوں کے مدینہ منورہ آنے کی وجہ سے نبی اکرمؐ نے تین دن سے زیادہ گوشت گھر میں رکھنے پر پابندی لگا دی تھی تو آج بھی ہمیں اردگرد ضرور دیکھنا چاہیے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہفتہ میں ایک بار بھی گوشت نصیب نہیں ہوتا اور کتنے ایسے ہیں جن کو پورا پورا مہینہ گوشت کی بوٹی دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ گوشت بالکل ذخیرہ نہ کریں، شوق سے ایسا کریں لیکن اپنے اردگرد کے قبیلہ برادری کے اور گلی محلے کے ان لوگوں کو بھی یاد رکھیں جنہیں مہینوں گوشت کھانے کو نہیں میسر آتا۔ یہ قربانی کا معاشرتی پہلو ہے اور سوسائٹی کی ضروریات سے اس عبادت کا عملی تعلق ہے جس کا ہمیں ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔

ہماری قربانیاں کس کے لیے؟

میں آج کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قربانی کے ایک اور پہلو کی طرف بھی آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی اکرمؐ سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ ہماری قربانیاں کس کے لیے ہیں؟ قربانیاں ہم بھی دے رہے ہیں لیکن کن چیزوں کی قربانیاں دے رہے ہیں؟ ہمارا قومی المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان کی قربانی دے رہے ہیں، عقیدہ کی قربانی دے رہے ہیں، ثقافت کی قربانی دے رہے ہیں، ملکی سالمیت کی قربانی دے رہے ہیں، عوام کے جان و مال کی قربانی دے رہے ہیں، قومی حمیت اور ملی غیرت کی قربانی دے رہے ہیں، اور قومی وحدت اور خود مختاری کی قربانی دے رہے ہیں۔ کس کے لیے؟ امریکہ کے لیے، ایک عالمی قوت کو خوش کرنے کے لیے اور

ایک استعماری قوت کو راضی رکھنے کے لیے ہم نے اپنی زندگی اور موت کے فیصلے بھی امریکی استعمار کے سپرد کر دیے ہیں کہ وہ جسے چاہے زندہ رہنے دے اور جسے چاہے ڈرون حملوں کے ذریعے موت کی نیند سلا دے۔ ہمارے قومی فیصلے اور پالیسی کے معاملات اسلام آباد میں نہیں واشنگٹن میں ہو رہے ہیں، اور ہمارے حکمران روبوٹ کی طرح ان احکام کی تعمیل کیے جا رہے ہیں۔

ہمارا حال یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام ہمارے سامنے ہیں مگر ہماری ان کی طرف توجہ نہیں ہے، جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات شب و روز ہم سنتے ہیں مگر ہمارے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن رات دو بجے امریکہ کا حکم آجائے تو ہم اڑھائی بجے تک اس پر عمل کر کے اس کی رپورٹ بھی دے چکے ہوتے ہیں۔ ہمیں اسی کی سزا مل رہی ہے اور ایک اللہ کے سامنے سرنڈر نہ ہونے کے نتیجے میں خدا جانے کون کون سے دروازے پر ناک رگڑنا پڑ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ کتاب اللہ کے فیصلوں سے انحراف کرنے والوں پر ہم دنیا میں رسوائی اور ذلت مسلط کر دیتے ہیں، ہماری صورتحال آج کل یہی ہے کہ ہم نے شریعت پر عملدرآمد سے انکار کیا، قرآن و سنت کی بالادستی سے منہ موڑا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام و قوانین سے اعراض کیا، تو ہر طرف سے ہم پر ذلت اور رسوائی مسلط ہے اور عزت و وقار کا کوئی راستہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہا۔ قربانی ہمیں یہ سبق بھی دیتی ہے کہ قربانی اللہ تعالیٰ کے لیے دنیا کو قربان کرنے کا نام ہے، دنیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑنے کا نام نہیں ہے۔ دنیا کی خاطر دین کی قربانی اور دنیا والوں کی خاطر اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسولؐ کی شریعت اور احکام کی قربانی سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔

آج بھی اگر ہم اللہ کے در پر جھک جائیں، جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات و تعلیمات کے سامنے جھک جائیں، اور شریعت اسلامیہ کے سامنے سرنڈر ہو جائیں، تو ساری صورتحال بدل سکتی ہے، اس دلدل سے نجات مل سکتی ہے، اور ہم قومی طور پر عزت و وقار کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے اجتماعی طور پر توبہ و استغفار کی ضرورت ہے، ملی حمیت و غیرت کو جگانے کی ضرورت ہے، اور عوامی سطح پر بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مانع حمل تدابیر اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

۲۰۱۰ء کے دوران مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں نمازِ فجر کے بعد درس

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ شادی نکاح کی بات ہو رہی تھی اور اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ مانع حمل تدابیر اختیار کرنا، اس کے بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟

حضورؐ سے ''عزل'' سے متعلق سوال

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اپنا حق استعمال کرتا ہوں لیکن میں ''عزل'' کرتا ہوں۔ اس زمانے میں مانع حمل تدبیر یہ تھی۔ جناب نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ''ان ذٰلک لم یمنع شیئًا ارادہ اللّٰہ'' اللہ نے جس بات کا ارادہ کر لیا ہے تمہاری یہ تدبیر اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ چند دن گزرے تو وہی شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میری ساری تدبیر کے باوجود وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ تو جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا ''انا عبد اللّٰہ و رسولہ'' میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول بھی ہوں۔

میاں بیوی کے، مرد و عورت کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بچے کی پیدائش سے بسا اوقات مرد و عورت بچتے ہیں کہ اپنا تقاضا تو پورا کریں لیکن حمل نہ ہو، بچہ نہ پیدا ہو۔ ہر زمانے میں یہ خواہش رہی ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی انفرادی طور پر یہ عمل ہوتا تھا۔ آج کل تو یہ ایک عالمی مہم کی صورت میں ہے اور حکومتی پالیسیوں کی شکل میں ہے کہ بچے کم سے کم پیدا کرو۔ ملک میں بھی اور دنیا میں بھی خاندانی منصوبہ بندی، مانع حمل ادویات، ٹیکے اور دیگر چیزیں ہیں۔ اُس زمانے میں دوائیاں ٹیکے نہیں ہوتے تھے، ذاتی تدابیر ہوتی تھیں۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے اس کا یہ جواب دیا۔ یعنی

حضورؐ نے یہ بتایا کہ جس انسان نے دنیا میں آنا ہے اس نے آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو تعداد طے کر رکھی ہے کہ میں نے اتنے بندے بھیجنے ہیں، اس نے بھیجنے ہیں، تمہاری تدبیروں سے اللہ کی فہرست میں کمی نہیں آئے گی۔

جواز اور عدمِ جواز کی صورتیں

اصل بات یہ ہے کہ اس کے چند پہلو ہیں:

۱۔ ایک تو عقیدے کا پہلو ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر نہ چاہے تو یہ تدبیریں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء کرامؒ اجازت دیتے ہیں کہ اگر میاں بیوی آپس میں راضی ہوں تو کوئی مانع حمل تدبیر اختیار کر سکتے ہیں، شرعًا رکاوٹ نہیں ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ ایک ہے شخصی طور پر کسی بات کی اجازت، اور ایک ہے اس کو حکومتی اور اجتماعی پالیسی بنانا۔ یہ جو پہلو ہے اس کے نقصانات ہیں کہ زنا عام ہوتا ہے، رکاوٹ ختم ہوتی ہے اور بے حیائی پھیلتی ہے۔ جس طریقے سے کنڈوم وغیرہ اور یہ چیزیں تقسیم ہوتی ہیں اور ترغیب دی جاتی ہے، اس سے معاشرے میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور زنا کو فروغ ملتا ہے۔ اس لیے علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ نفسِ جواز کی بات نہیں، نفسِ جواز تو ہے، لیکن ایک اجازت کی شکل میں کہ اگر میاں بیوی متفق ہیں، یا ڈاکٹر کی رائے ہے کہ یہ عورت متحمل نہیں ہے، لیکن اس کو عمومی مہم کی شکل دینے اور قومی و اجتماعی پالیسی بنانے میں نقصانات زیادہ ہیں۔

میں ایک دن لندن میں ریل کا سفر کر رہا تھا کہ ایک اشتہار دیکھا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یار یہ اشتہار تو سمجھاؤ کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ اشتہار یہ ہے کہ لڑکی جو ایک چھوٹی بچی ہے، سکول جا رہی ہے اور بستہ اس کے ہاتھ میں ہے، اور ماں اس سے پوچھ رہی ہے کہ بستے میں کنڈوم رکھ لیا ہے؟ یعنی ماں اپنی بچی سے پوچھ رہی ہے کہ وہاں تمہیں یہ معاملہ تو پیش آئے گا ہی، تم نے احتیاطی تدبیر کی ہوئی ہے؟ یہ مہم کیا ہے؟ یہ ترغیب کی ایک شکل ہے اور یہ بات درست نہیں ہے۔ اور پھر اس مہم کی بنیاد جس بات پر ہے، یہ کہتے ہیں کہ آبادی بڑھ رہی ہے اور وسائل کم ہو رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کہتے ہیں

کہ میں دنیا میں رزق پورے اندازے سے اتارتا ہوں ”قدر فیھا اقواتھا“ (فصلت ۱۰) جتنے بندے پیدا کیے ہیں اس کے مطابق رزق دیتا ہوں۔ وسائل کم نہیں ہوتے، بات تقسیم کی ہے کہ تقسیم غلط ہے۔ ہمارا نظم یہ ہے کہ ایک طرف اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے لاکھوں ٹن گندم سمندر میں پھینکی جاتی ہے اور کاشتکاروں کو گندم پیدا کرنے سے روکا جاتا ہے کہ مارکیٹ میں ریٹ کا بیلنس نہ بگڑے، جبکہ دوسری طرف لوگ بھوک سے مرتے ہیں۔ یعنی تمہارے کھاتے میں جو کام ڈالا ہوا ہے وہ تم خراب کرتے ہو۔

خیر، مسئلہ یہ ہے کہ نفسِ جواز تو ہے کہ میاں بیوی اگر متفق ہوں تو مانع حمل تدبیر اختیار کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اگر مشورہ دے تب بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کو عمومی مہم بنانے کے جو نقصانات ہیں اور اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی وجہ سے علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع تو نہیں فرمایا لیکن پسند بھی نہیں فرمایا۔ اس لیے فقہاءؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا انحصار حالات پر ہے کہ جواز کی صورت ہو تو ٹھیک ہے، لیکن نقصانات کی صورت میں گنجائش نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے سفر

۲۰۱۰ء کے دوران مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں نمازِ فجر کے بعد درس

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ سفر کا آغاز بھی دعا سے کرتے تھے، سفر کا اختتام بھی دعا سے کرتے تھے، سفر کے آغاز پر بھی دو رکعت پڑھتے تھے، اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعت پڑھتے تھے۔ جاتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے درخواست کے لیے کہ یا اللہ سفر پر جا رہے ہیں مہربانیاں فرما، آسانیاں فرما۔ اور واپسی پر شکرانے کے لیے کہ یا اللہ سفر کر کے واپس آ گئے ہیں، شکرانے کے نفل پڑھتے تھے، دعا کرتے تھے۔

نبی اکرمؐ کی سفر پر روانگی

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ یاد بھی کرتے تھے اور آگے تعلیم بھی دیتے تھے، اپنے بچوں کو، شاگردوں کو، آگے لوگوں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔ علیؒ، یہ تابعی ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے ہمیں یہ دعا بطور تعلیم کے سکھائی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جاتے، سفر پر روانہ ہونے کے لیے جب اونٹنی پر سوار ہوتے اور اونٹنی بالکل تیار ہوتی سفر کے لیے، تو حضورؐ دعا کا آغاز تکبیر سے کرتے تھے۔ تین دفعہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ یہ تین دفعہ اللہ اکبر کہہ کر پھر قرآن کریم کی وہ آیت دعا کے طور پر پڑھتے تھے "سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون" (الزخرف ١٤) اس کا ترجمہ یہ ہے:

چونکہ اونٹنی پر سوار ہیں، اونٹ بہر حال انسان سے بڑا جانور ہے، طاقتور بھی ہے، انسان اس کو کنٹرول کرے، اپنی مرضی سے چلائے، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیت

دی ہے کہ اونٹوں کی لمبی قطار ہوگی، سو اونٹ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے چلے آ رہے ہوں گے، اور سب کی نکیل ایک بچے کے ہاتھ میں ہوگی اور اونٹ اس بچے کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کے حکم سے ہے، اللہ کے نظام سے ہے۔

''سخر لنا ھذا'' جس نے یہ سواری ہمارے لیے مسخر کی۔

''وما کنا لہ مقرنین'' ہم تو اس کو قابو میں کرنے والے نہیں تھے۔ اونٹ اگر اڑ جائے تو کسی کے قابو میں نہیں آتا، بڑا مشکل ہو جاتا ہے اسے کنٹرول کرنا۔

''وانا الیٰ ربنا لمنقلبون'' ساتھ ہی یہ یاد دلا دیا کہ ایک سفر تو یہ ہے، اور ایک سفر وہ بھی ہے جس میں ہم اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ یہ سفر تو پتہ نہیں دو دن کا ہے، تین دن کا ہے، چار دن کا ہے۔ یعنی ایک سفر ہمیں وہ بھی درپیش ہے کہ جب ہم اللہ کے دربار میں پیش ہوں گے جا کر، اللہ کی بارگاہ میں بلائے جائیں گے۔ یہ تو قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے جو بطور دعا کے سفر کے آغاز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

اس کے بعد پڑھتے تھے ''اللھم نسألک فی سفرنا ھذا البر والتقوٰی'' یا اللہ ہم اس سفر کا آغاز کر رہے ہیں، اس سفر کے دوران آپ سے ہماری دعا ہے کہ ہمیں برّ اور تقوٰی کی توفیق دے، ہمارا سفر نیکی کی حالت میں گزرے، تقوٰی کی حالت میں گزرے۔

''ومن العمل ما ترضٰی'' اور سفر میں ایسے اعمال ہم کریں جس سے تو راضی ہو۔ ایسے اعمال کی توفیق دے جس سے آپ راضی ہوں۔

''اللھم ھون علینا سفرنا ھذا'' یا اللہ اس سفر کو ہمارے لیے آسان کر دے۔ سفر کی مشکلات، مشقتیں ہمارے لیے آسان فرما دے۔

''واطو عنا بعدہ'' اس کی لمبائی ہمارے لیے لپیٹ دے، کم کر دے۔ یعنی جلدی سفر ہو جائے۔

''اللھم انت الصاحب فی السفر'' یا اللہ میں سفر پر جا رہا ہوں، سفر میں آپ ہی میرے ساتھی ہیں۔

"والخليفة فى الاهل" گھر والوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، یہاں بھی آپ ہی میرے خلیفہ ہیں، آپ ہی ان کی حفاظت فرمائیں گے ہر قسم کی مشکل میں۔

"اللهم انى اعوذ بك من وعثاءِ السفر" یا اللہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں ہوتی ہیں، ان سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ سفر کے فساد سے، سفر کی مصیبتوں سے، سفر کی مشقتوں سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

"وكآبةِ المنظر" سفر میں کوئی تکلیف دہ منظر پیش نہ آئے۔ سفر میں کسی تکلیف دہ یا اذیت ناک منظر سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

"وسوء المنقلب فى المال والاهل" اور اپنے گھر اور مال میں بری واپسی سے بھی پناہ مانگتا ہوں، کہ گھر آؤں تو حالت بدلی ہوئی ہو اور مال تباہ ہو چکا ہو اور گھر میں بربادی ہو۔ میں بری حالت میں آؤں یا گھر والے بری حالت میں ہوں، یا اللہ میں اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

یہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا آغاز کرتے تھے اور سواری پر بیٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

نبی اکرمؐ کی سفر سے واپسی

اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو پھر بھی یہی دعا پڑھتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے، یا شہر میں داخل ہو کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اور ان جملوں کا اضافہ کرتے تھے واپسی کی دعا میں:

"آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون" یا اللہ! ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی ہی عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے شاگردوں کو یہ دعا سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جاتے اور سفر سے واپس آتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

مرد وعورت کا میل جول اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

۲۰۱۰ء کے دوران مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں نمازِ فجر کے بعد درس

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ یعنی شرعی مسافت کا سفر کرے۔ مگر اس کے ساتھ محرم ہو، محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ تین دن سے مراد شرعی مسافت ہے جو آج کل ۴۸ میل یا ۸۰ کلو میٹر کے لگ بھگ بنتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عورت اپنے گھر میں بھی کسی مرد کے ساتھ تنہا نہ ہو جبکہ ساتھ کوئی محرم نہ ہو۔

مرد وعورت کے اختلاط کی حدود

اللہ رب العزت نے مرد وعورت کے اختلاط میں، مرد وعورت کے میل جول میں کچھ حدود رکھی ہیں، اس لیے کہ یہیں سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے جناب نبی کریمؐ نے فرمایا: کوئی مرد اور عورت اگر اکٹھے ہوں تو تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ شیطان کے ہاتھ میں سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ انسان کو گمراہ کرے۔ فرمایا: مرد وعورت جب اکٹھے ہوتے ہیں، تنہا ہوتے ہیں، کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا، تو تیسرا شیطان ہوتا ہے اور شیطان ان کے درمیان سفیر کا کام کرتا ہے۔ ان کے خیالات، ان کے جذبات کو ابھارنا، احساسات پیدا کرنا، وسوسے ڈالنا، یہ شیطان کا کام ہے۔

چنانچہ یہ بھی پابندی لگائی کہ مرد وعورت اکٹھے نہ ہوں، ہاں اگر محرم ساتھ ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ کیونکہ یہ بھی اسباب میں سے ہے۔ قرآن کریم نے جہاں بدکاری اور زنا کی مذمت فرمائی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ''ولا تقربوا الزنا'' (بنی اسرائیل ۳۲) کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ باقی گناہوں کے بارے میں فرمایا، یہ گناہ نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، سود نہ کھاؤ، شراب نہ پیو، لیکن زنا کے بارے میں یہ

نہیں کہا کہ زنا نہ کرو بلکہ کہا کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اس سے مفسرین یہ استدلال کرتے ہیں کہ زنا کے جو دواعی ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ وہ اسباب جو کسی انسان کو زنا تک پہنچاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ حتیٰ کہ جناب نبی کریمؐ نے اس بات پر بھی پابندی لگائی کہ کسی غیر محرم عورت کو نہ دیکھو، اور اگر اتفاقاً نگاہ پڑ گئی ہے تو نگاہ ہٹا لو۔ یہ پہلا سبب ہوتا ہے، آنکھ پہلا دروازہ ہے۔ اس کے بعد گفتگو، پھر خلوت، پھر باقی معاملات۔ تو یہ جو اسباب ہیں جن سے گزر کر انسان گناہ تک پہنچتا ہے شریعت نے وہ بھی حرام قرار دیے ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے یہ ارشاد فرمایا تو ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! دیور ہو تب بھی؟ فرمایا وہ تو نری موت ہے۔ کیا مطلب؟ کیونکہ میل جول زیادہ ہے، امکانات بھی زیادہ ہیں۔ میل جول، گفتگو، دیکھنا، یہ چونکہ اسباب ہیں، اس لیے شریعت نے ان اسباب پر پابندی لگائی ہے۔ حدود مقرر کی ہیں، اس کی صورتیں متعیّن کی ہیں۔ اور ایسی صورت جو انسان کے گناہ کا سبب بنے وہ شریعت نے حرام قرار دی ہے۔

عورت کی ذاتی و سفری ضروریات

دوسری بات یہ فرمائی کہ کوئی عورت اکیلی سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو۔ تو یہ دو پابندیاں فقہاء لگاتے ہیں کہ اگر دن میں اپنی ضرورت کے تحت کسی کام کے لیے جاتی ہے تو جا سکتی ہے لیکن رات کو گھر واپس آئے۔

حضرت سوداء رضی اللہ عنہا ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئیں، اس وقت تک پردے وغیرہ کے احکام آ گئے تھے، سودا رضی اللہ عنہا گئیں تو حضرت عمرؓ نے پہچان لیا، قد لمبا تھا جسم بھاری تھا۔ مطلب یہ تھا کہ آپ باہر کہاں جا رہی ہیں؟ یہ ڈانٹنے کا انداز تھا۔ ام المومنینؓ ہیں۔ سوداؓ واپس گئیں جناب نبی کریمؐ کے پاس۔ حضورؐ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں کھانا کھا رہے تھے۔ جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں قضائے حاجت کے لیے گئی تھی تو عمرؓ نے مجھے آواز دی ہے، ٹوکا ہے مجھے۔ کہا کہ میں کیا کروں، ضرورت کے لیے بھی باہر نہ جاؤں؟ تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کچھ دیر حضورؐ نے خاموشی اختیار کی، حضورؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، رسول اللہؐ نے فرمایا، اللہ رب العزت نے تمہیں ضروریات کے لیے جانے کی اجازت دی ہے۔

ضرورت کی حد فقہاء یہ بتاتے ہیں کہ ایسا کام جو ضروری ہے اور کرنے والا اور کوئی نہیں ہے، تو ایسی ضرورت کے لیے عورت جاسکتی ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ کہ رات باہر نہیں رہے گی اور شرعی مسافت سے زیادہ نہیں جائے گی۔ جبکہ ایک پابندی اور لگائی ہے کہ سادہ لباس میں جائے، خوشبو یا ایسا لباس نہ ہو کہ خوامخواہ لوگوں کی نظریں اٹھیں۔ لباس سادہ ہو، پردہ ہو، حدود میں چلے، بلاوجہ باہر نہ رہے۔

حضورؐ خطبہ فرمارہے تھے، ایک شخص کھڑا ہوگیا، کہا کہ یارسول اللہ! میری بیوی حج پر جارہی ہے اور میرا نام مجاہدین میں لکھ دیا گیا ہے۔ تو جناب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم جہاد پر نہیں جاؤ گے بلکہ اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جاؤ گے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ جاکر حج کرو تاکہ اس کا حج ادا ہو جائے۔ تو یہ فرمایا کہ عورت اگر حج کے لیے جائے گی تو اپنے خاوند کے ساتھ یا کسی محرم کے ساتھ۔

خالق اور مخلوق کے حقوق میں توازن اور اسوۂ نبوی ﷺ

۲۳فروری ۲۰۱۰ء کو ماہِ ربیع الاول کی مناسبت سے پاکستان ایئر فورس بیس لاہور کے تربیتی کیمپ کی مسجد میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کے سینکڑوں پہلو ایسے ہیں جن پر گفتگو کا ذہن میں تقاضا ہوتا ہے، بسا اوقات اس موضوع پر بات کرتے ہوئے اس بحرِ ناپیدا کنار کے کسی ایک رخ کا تعین مشکل ہو جاتا ہے لیکن آج میں اس پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہوں گا کہ بحیثیت نبی اور رسول، تاریخ کے ریکارڈ میں جناب نبی اکرمؐ کا پہلا تعارف کیا تھا؟

رسول اکرمؐ کا پہلا تعارف

جناب رسول اکرمؐ مکہ مکرمہ کے ماحول میں اپنی زندگی کے ۴۰ برس گزار چکے تھے اور اپنے اردگرد پھیلے ہوئے کفر و شرک سے پریشان ہو کر حالات کی اصلاح کے امکانات اور طریقوں پر غور و خوض فرماتے رہتے تھے۔ غارِ حرا میں کئی کئی روز تک خلوت گزین رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ قوم اور انسانیت کی حالتِ زار پر غور کرتے تھے۔ اس ماحول میں غارِ حرا کی خلوت گزینی کے دوران حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرتؐ کو وحی الٰہی کا سب سے پہلا پیغام پہنچایا جو قرآن کریم کی ابتدائی پانچ آیتوں پر مشتمل تھا۔ اس میں یہ حکم دیا گیا کہ:

> ”اپنے رب کے نام پر پڑھیے جس نے انسان کو پیدا کیا اور قلم کے ذریعے تعلیم دی۔“

میں ان آیات کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ان میں تین اہم باتوں کا

حوالہ دیا گیا ہے: قراءت، تعلیم اور قلم۔ اور تینوں باتیں اس ماحول میں کہی گئی ہیں جو قلم سے متعارف نہیں تھا اور جسے امیوں کا معاشرہ کہا جاتا تھا۔ اس لیے امتِ مسلمہ کی حیثیت سے ہمارا پہلا سبق قراءت، علم اور قلم کے حوالے سے ہے۔ اگر اس کے ساتھ جناب رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کو بھی شامل کر لیں کہ:

"میں معلم اور استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

تو بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی الٰہی کے نزول کے بعد پہلا تعارف ہے جو ہمیں تاریخ کے ریکارڈ میں ملتا ہے۔

رسول اکرمؐ کا دوسرا تعارف

اس کے بعد دوسرا تعارف ہمارے سامنے تاریخ یہ پیش کرتی ہے کہ جب غارِ حرا کے اس اچانک واقعہ پر آنحضرتؐ پر کچھ گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوئی اور اسی گھبراہٹ میں آپؐ گھر تشریف لائے تو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو تسلی اور حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں ہونے دے گا، اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بیواؤں اور یتیموں کا سہارا بنتے ہیں، محتاج لوگوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مسافروں کی خدمت کرتے ہیں، اور ناگہانی آفتوں پر متاثرین کی امداد کرتے ہیں۔"

یہ جناب نبی اکرمؐ کا دوسرا تعارف ہے جو وحی کے نزول کے حوالے سے حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔

رہبانیت اور خدا فراموشی کی دو انتہائیں

اور میں اس بات کو آگے بڑھانے سے پہلے عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ اس دور کی بات ہے جب نسلِ انسانی اس حوالے سے افراط و تفریط کا شکار تھی:

- ایک طرف رہبانیت تھی کہ بہت سے لوگ سوسائٹی سے لاتعلق ہو کر اور تمام رشتوں و تعلقات کو منقطع کر کے ویرانوں اور جنگلوں میں جا بیٹھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے تھے، نفس کشی کی ریاضتیں کرتے تھے، اور زندگی کے بہت سے معاملات کو ترک کر دیتے تھے۔

- جبکہ دوسری طرف سوسائٹی کے لوگوں کی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو خدا کو بالکل ہی بھلا چکے تھے۔ قرآن کریم نے انہی کو سامنے رکھ کر فرمایا تھا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا۔

ایک طرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رضا کی خاطر سوسائٹی سے لاتعلق ہو جانے کا طرزِ عمل تھا اور دوسری طرف سوسائٹی کے معاملات میں پھنس کر خدا کو بھول جانے کا رویہ تھا۔ ان دونوں انتہاؤں کے ماحول میں جناب رسول اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کا یہ حصہ پوری نسلِ انسانی کے لیے سبق کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک ہی وقت میں غارِ حرا کی خلوت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کے نادار افراد کی خدمت بھی۔ دونوں کام ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور انسانوں کو خالق اور مخلوق کے ساتھ معاملات میں توازن قائم کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

جناب نبی اکرمؐ نے زندگی بھر خدا اور بندوں کے ساتھ تعلقات میں توازن قائم کرنے کا سبق دیا ہے۔ ایک طرح سے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ پیدا کرنے والے خدا اور اردگرد رہنے والے انسانوں کے ساتھ معاملات کو توازن میں رکھو اور دونوں کے حقوق کو اپنے اپنے وقت میں پورا کرنے کی کوشش کرو۔ حقوق کی بات دنیا بھی کرتی ہے اور اسلام بھی کرتا ہے۔ لیکن اسلام نے حقوق میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شمار کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ اردگرد رہنے والے انسانوں کے حقوق بھی تمہارے ذمے ہیں لیکن اس کے ساتھ بلکہ اس سے پہلے پیدا کرنے والے، روزی دینے والے اور بے شمار نعمتوں سے نوازنے والے رب کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ ان حقوق کے درمیان توازن کا نام ہی اسلام ہے اور جناب رسول اکرمؐ نے نسلِ انسانی کو یہی سب سے بڑا پیغام دیا ہے۔

گروہی دائروں سے بالاتر ہو کر نسلِ انسانی کو دعوت

یہاں میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہوں گا کہ حضرت محمدؐ تاریخِ انسانی کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے علاقائی، نسلی اور لسانی دائروں سے بالاتر ہو کر نسلِ انسانی سے خطاب کیا ہے اور اپنی دعوت کا آغاز ''ایھا الناس'' کے ساتھ کیا ہے۔ جناب نبی اکرمؐ کا پیغام اور تعلیم پوری نسلِ انسانی کے لیے ہے اور آپؐ گلوبل رسول اور نبی ہیں۔ اس حوالہ سے میں ایک روایت کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا جو

ہم کم و بیش نکاح کی ہر تقریب میں پڑھے جانے والے خطبہ میں سنتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ:

"نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔"

یہ جملہ تو ہم اکثر پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں لیکن اس کا پس منظر بھی سامنے آجائے تو لطف دوبالا ہو جائے گا، بلکہ نسلِ انسانی کے نام جناب نبی اکرمؐ کے بنیادی پیغام کے عنوان سے میں جو بات عرض کر رہا ہوں، وہ بھی زیادہ نکھر کر سامنے آجائے گی۔

اسلامی عبادات اور انسانی معاملات میں توازن

مدینہ منورہ میں نبی کریمؐ کے چند صحابہ کرامؓ نے باہمی مشورہ کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے دنیا کے تعلقات اور سوسائٹی کے معاملات میں کمی کرنی چاہیے، اس کے لیے انہوں نے آپس میں معاہدہ کیا۔ ایک نے کہا کہ میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری زندگی رات کو سونے کی بجائے تمام رات عبادت کیا کروں گا، اور تیسرے نے کہا کہ میں ساری زندگی بلاناغہ روزہ رکھا کروں گا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو طلب فرما لیا اور اس بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے واقعی ایسا کیا ہے۔ اس پر آپؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ میں تم سب سے زیادہ خدا خوفی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ میرے دل میں ہے، اس کے باوجود میں نے شادیاں بھی کی ہیں، بچے بھی پال رہا ہوں، کھاتا پیتا بھی ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، پھر فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس لیے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ نسلِ انسانی کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ اپنے رب کو بھی یاد رکھو اور سوسائٹی اور تمدن کے تقاضے بھی پورے کرو، پیدا کرنے والے خالق کے حقوق بھی ادا کرو، اور ساتھ رہنے والے انسانوں کے حقوق بھی پورے کرو، دونوں کے حقوق بیک وقت اور توازن کے ساتھ ادا کرنے کا نام اسلام ہے، اور یہی جناب رسول اکرمؐ کی دعوت اور آپؐ کی سنتِ مبارکہ ہے۔

وظائف و اَوراد معمولاتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

۳۰ جولائی ۲۰۱۰ء کو ایشیا اسلامک سنٹر، ہیوسٹن، ٹیکساس، امریکہ میں
خطاب کے متعلقہ حصے

جناب نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”البیت الذی لیس فیہ القرآن کالبیت الخرب“ وہ گھر جس میں قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہوتی وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ دوسری حدیث میں جناب نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ ”صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوھا قبورا“ گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان نہ بناؤ۔ گویا گھروں کی آبادی نماز اور تلاوت قرآن کریم سے ہے، اور جن گھروں میں نماز اور تلاوت کا معمول نہیں ہے وہ آباد گھر نہیں ویران اور اجڑے ہوئے گھر اور قبرستان ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے گھروں میں عام طور پر اس کا معمول نہیں رہا اس لیے فرشتوں کا آنا جانا بھی نہیں رہا۔

ہمارے گھروں کا ماحول اور غیبی مخلوق

اس کے برعکس ہمارے گھروں میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر بھی ایک غیبی مخلوق کی آمد و رفت رہتی ہے، جو فرشتے بہرحال نہیں ہیں، وہ مخلوق جن و شیاطین کی ہے۔ وہ آتے ہیں تو اپنے اثرات لے کر آتے ہیں اور اپنی نحوستیں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ شیاطین کی نحوستیں کس قسم کی ہوتی ہیں اس پر جناب نبی اکرمؐ کا ایک ارشاد گرامی سن لیجئے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ شیاطین کا ایک پورا نظام ہے جو دنیا میں کام کر رہا ہے اور دنیا کے مختلف اطراف میں شیاطین کی بڑی تعداد ہر وقت کام کرتی ہے اور بڑے شیطان کو اس کی رپورٹ بھی پیش کرتی ہے، جو پانی پر تخت بچھائے ہوئے ہے اور اپنے شیطانی نیٹ ورک کے کام کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔

فرمایا کہ شیطان اپنے جس کارندے کو سب سے بڑی شاباش دیتا ہے اور اس کی پیٹھ تھپتھپا کر اسے سینے سے لگاتا ہے، اسے اس بات پر شاباش ملتی ہے کہ وہ کسی گھر میں جھگڑے کا ایسا ماحول پیدا کر دے کہ میاں بیوی میں طلاق ہو جائے، کسی گھر میں طلاق کا ہو جانا شیطان کے نزدیک اس کے کسی کارندے کا سب سے اچھا عمل ہوتا ہے جس پر وہ بہت خوش ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہمارے گھروں میں شیطانوں کی آمد و رفت ہوگی تو اسی طرح کی بے برکتی اور نحوست ہوگی اور اسی بے اتفاقی اور بے اعتمادی کا دور دورہ ہوگا۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں میں شیاطین کی آمد و رفت کو روکیں اور فرشتوں کی آمد و رفت کا ماحول بنائیں جو قرآن کریم کی تلاوت اور نماز و ذکر کی کثرت سے بنے گا۔

ایک مثال سے بات سمجھ لیجئے کہ میرا گھر اگر صاف ستھرا ہے، غسل خانے اور نالیوں میں صفائی ہے، گھر کے صحن میں کیاری موجود ہے جس میں پھول کھلے ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس ماحول میں بلبل آئے گی، تتلیاں آئیں گی، جگنو آئیں گے۔ لیکن اگر میرے گھر میں صفائی نہیں ہے، غسل خانہ اور نالیاں گندی ہیں اور کوڑا کرکٹ ہر طرف بکھرا ہوا ہے تو مکھیاں بھنبھنائیں گی، مینڈک ٹرائیں گے، مچھروں اور کاکروچوں کا ہر طرف بسیرا ہوگا، اس پر میں یہ کہنا شروع کر دوں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے اور سارے محلے کے کاکروچ اکٹھے کر کے میرے گھر میں بھیج دیے ہیں تو کس قدر عجیب بات ہوگی۔ میرے گھر میں بلبل اور جگنو کا ماحول ہوگا تو وہ آئیں گے اور مچھروں اور مکھیوں والی فضا ہوگی تو وہ ڈیرہ ڈالیں گے، اس کے لیے کسی کو ملامت کرنے کی بجائے مجھے اپنے گھر کے ماحول کی صفائی کرنا ہوگی اور اسے بہتر بنانا ہوگا۔

اسی طرح میرے گھر میں اگر فرشتوں کی آمد و رفت ہوگی تو وہ آئیں گے اور رحمت و برکت لائیں گے۔ اور اگر ہر وقت شیاطین ڈیرہ ڈالے رہیں گے تو ان سے بے برکتی، نحوست اور نااتفاقی ہی ملے گی اور وہی کچھ ہوگا جس کی ہمیں اپنے گھروں میں اس وقت شکایت رہتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا واقعہ

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت ابو سعید خدریؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ چند ساتھیوں کے ہمراہ سفر پر تھے کہ ایک بستی کے قریب رات کا وقت ہو گیا اور انہوں نے بستی

والوں سے کہا کہ وہ مسافر ہیں انہیں کھانا کھلا دیا جائے۔ بستی والوں نے اس سے انکار کر دیا تو وہ بستی کے قریب ایک جگہ ڈیرہ لگا کر سو گئے۔

اتفاق کی بات ہے کہ بستی کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا، زہر کا اثر دماغ تک پہنچا تو وہ بے قابو ہونے لگا، بستی والوں نے اپنے تئیں علاج وغیرہ کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا، انہیں خیال آیا کہ جو لوگ بستی سے باہر ٹھہرے ہوئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی علاج موجود ہو۔ وہ نصف شب کے وقت ان کے پاس آئے اور کہا، ہمارے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا ہے اور ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے، تمہارے پاس کوئی علاج ہو تو ہمارے ساتھ آؤ اور ہم پر مہربانی کرو۔

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے ذہن میں یہ بات تھی کہ انہوں نے ہمیں کھانا نہیں کھلایا اس لیے ہم نے کہا کہ علاج ہمارے پاس ہے مگر ہم معاوضہ کے بغیر علاج نہیں کریں گے اور معاوضہ تیس بکریاں ہو گا۔ وہ آمادہ ہو گئے، ہم نے جا کر اسے دم کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

ہم بکریاں لے کر واپس آئے تو خیال ہوا کہ یہ بکریاں جو ہم نے دم کے عوض لی ہیں شاید ہمارے لیے جائز نہ ہوں، اس لیے جناب نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کریں گے، اس کے بعد ان بکریوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ جب نبی اکرمؐ کو سارا واقعہ سنایا گیا تو آپؐ نے دل لگی کے طور پر فرمایا کہ ان بکریوں میں سے میرا حصہ بھی نکالو، یہ اشارہ تھا کہ بکریاں لے کر تم نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔

نبی اکرمؐ نے اس موقع پر پوچھا کہ دم کس نے کیا تھا اور کیا پڑھا تھا؟ ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ میں نے دم کیا تھا اور سورۃ فاتحہ پڑھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت نے پوچھا کہ تمہیں کس نے بتایا تھا کہ اس میں شفا ہے؟ تو ابوسعید خدریؓ نے عرض کیا کہ ایک بار آپ کی زبان سے سنا تھا کہ اس سورۃ کا نام ''الشفاء'' بھی ہے، اسی یقین پر میں نے دم کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت

اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمؐ کا معمول تھا کہ رات کو سونے سے پہلے آخری تین سورتیں جو ''معوذات'' کہلاتی ہیں یعنی قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل

اعوذ برب الناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتے تھے اور ان ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیرتے تھے۔ آخری ایام میں جب کمزوری بڑھ گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر نبی اکرمؐ کے ہاتھوں پر پھونکتی تھی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے جسم پر پھیرتی تھی۔ معوذات کا یہ پڑھنا برکت کے لیے تھا اور شفا کے لیے تھا۔ اور قرآن کریم کی تلاوت سے یہ دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

"اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول"

۱۹ فروری ۲۰۱۱ء کو جمعیت علماء اہل سنت ضلع گجرات کے زیر اہتمام
النور ریسٹورنٹ پنجن کسانہ کھاریاں میں منعقدہ سیرت کانفرنس سے خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میرے اور آپ سب کے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ ہم یہاں جناب سرور کائناتؐ کے ذکر مبارک کے لیے جمع ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وسیرت کے تذکرہ کے حوالہ سے مل بیٹھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارا مل بیٹھنا قبول فرمائیں، کچھ مقصد کی باتیں کہنے سننے کی توفیق دیں، اور جو بات دین کی علم میں آئے اس پر عمل کی توفیق سے بھی نوازیں، آمین۔

ذکرِ رسولؐ رضائے خداوندی کا ذریعہ

جناب سرور کائناتؐ کا تذکرہ جس حوالہ سے بھی ہو اور جس پہلو سے بھی ہو باعثِ برکت ہے، باعثِ ثواب ہے، باعثِ رحمت ہے، باعثِ ہدایت ہے، اور آنحضرتؐ کے ذکر مبارک سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ میرے سامنے آپ میرے کسی دوست کا اچھے انداز میں تذکرہ کریں گے تو مجھے خوشی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے حبیب کا ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتے ہیں اور رحمت وبرکات سے نوازتے ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کے ذکر سے اجر وثواب بھی ہوتا ہے، رحمت و برکت کا نزول بھی ہوتا ہے، اور ہدایت وراہنمائی بھی ملتی ہے۔ بلکہ سب سے بڑا پہلو یہی ہے کہ ہم سرور کائناتؐ کا ذکر کرکے ان کی سنت وسیرت سے راہنمائی حاصل کریں، اسی سے ہمیں دنیا وآخرت کی سعادت اور نجات حاصل ہوگی۔

سیرتِ طیبہ کے خوشہ چینوں کا امتحان

جناب نبی اکرمؐ کے تذکرہ کے سینکڑوں پہلو ہیں اور ہر پہلو کے بیسیوں رخ ہیں، اس لیے سیرتِ

طیبہ پر گفتگو کرنے والوں کو سب سے پہلے اس امتحان کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ سیرتِ مبارکہ کا کون سا پہلو بیان کیا جائے اور کون سا پہلو چھوڑ دیا جائے؟ جبکہ یہ ”کون سا چھوڑ دیا جائے“ کا پہلو زیادہ آزمائش والا ہوتا ہے کہ حبیبِ خدا کی سیرت کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جسے چھوڑ دینے کا آسانی کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکے، مگر ظاہر ہے کہ مختصر وقت میں بات صرف ایک ہی پہلو پر ہو سکتی ہے اور وہ بھی اختصار کے ساتھ، اس لیے میں آج کی اس محفل میں آپ حضرات کے سامنے سیرتِ طیبہؐ کے صرف ایک پہلو پر چند گزارشات پیش کرنا چاہوں گا کہ کیا جناب نبی اکرمؐ کا منصب صرف یہ تھا کہ وہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا دین اور احکام پہنچا دیں؟ یا دین میں خود بھی کوئی اتھارٹی رکھتے تھے؟

اطاعتِ رسولؐ کا قرآنی حکم

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی اکرمؐ کی اطاعت کا حکم اور اس کے ساتھ ساتھ اتباع کا حکم بھی دیا ہے۔ اطاعت کا معنیٰ ہے حکم ماننا، جبکہ اتباع کا مفہوم اس سے کچھ مختلف ہے جس میں حکم ماننے کے ساتھ نقشِ قدم پر چلنا بھی شامل ہے، جسے ہم ”فالو“ کرنا کہتے ہیں۔ نبی اکرمؐ جو حکم دیں اس کی تعمیل ہم پر ضروری ہے اور جس طریقے سے وہ کام کر کے دکھائیں اس کی پیروی بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یعنی جو حکم وہ دیں وہ مانیں اور جیسے وہ کریں ویسے ہم کریں۔

دین میں جس طرح قرآن کریم اتھارٹی ہے اسی طرح جناب اکرمؐ بھی اتھارٹی ہیں اور قرآن کریم نے ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول“ (النساء ۵۹) کہہ کر دونوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ آج کے دور میں یہ بیماری مسلسل پھیلتی جا رہی ہے کہ جب کوئی مسئلہ بیان کیا جائے، خواہ وہ جناب نبی اکرمؐ کے ارشاد کے حوالہ سے ہی بیان کیا جائے، تو کوئی نہ کوئی صاحب یہ سوال کر دیتے ہیں کہ کیا یہ مسئلہ قرآن کریم میں ہے؟ بظاہر یہ سوال اس لیے ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے بھی یہ مسئلہ بیان ہو جائے، لیکن اس کے پیچھے اکثر یہ ذہن کارفرما ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے پھر تو ٹھیک ہے لیکن اگر قرآن کریم اس مسئلہ میں خاموش ہے تو پھر اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات بہت خطرناک ہے کیونکہ کسی مسئلہ میں یہ شرط لگانا کہ وہ صرف قرآن کریم سے بیان کیا جائے اس سے جناب نبی اکرمؐ کے خود اتھارٹی ہونے کی نفی ہوتی ہے،

العیاذ باللہ۔

قرآن کریم کے متعلق ایک پرانا سوال

یہ سوال کہ کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا جائے کہ کیا یہ قرآن کریم میں موجود ہے، بہت پرانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک بار بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے کسی شخص کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہا ہے اور اس نے احرام کی دو چادریں باندھنے کے علاوہ کوئی سلا ہوا کپڑا بھی پہن رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے متوجہ کر کے فرمایا کہ بھائی! احرام کی حالت میں مرد کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننے کی اجازت نہیں ہے، اس نے پلٹ کر سوال کیا کہ کیا یہ مسئلہ قرآن کریم میں ہے؟

میں اس موقع پر عرض کیا کرتا ہوں کہ کوئی ہمارے جیسا ڈھیلا ڈھالا مولوی ہوتا تو کہتا کہ جی یہ مسئلہ قرآن کریم میں تو نہیں ہے، مگر وہ بہت تگڑا مولوی تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ فرمایا کہ ہاں یہ مسئلہ قرآن کریم میں موجود ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’وما أتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا‘‘ (الحشر ۷) اور جناب نبی اکرمؐ سے میں نے خود سنا ہے کہ احرام کی حالت میں مرد کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے۔

جناب نبی اکرمؐ اللہ تعالیٰ کے نمائندہ اور رسول ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جو کہیں وہ کرو اور جس سے روکیں رک جاؤ، اس لیے کہ نمائندہ اور رسول کی حیثیت سے جناب نبی اکرمؐ کی ہر بات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کا جواب

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تو اس سوال کا جواب اس انداز سے دیا مگر حضرت عمران بن حصینؓ اس قسم کے سوال پر غصے میں آ گئے تھے۔ مسند دارمی کی ایک روایت کے مطابق ان سے کسی شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا اور ساتھ شرط لگا دی کہ مسئلہ قرآن کریم سے بیان فرمائیں۔ حضرت عمران

بن حصینؓ نے اس سوال کو پسند نہیں کیا اور الٹا اس شخص سے سوال کر دیا کہ تم نے آج صبح کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ اس نے جواب دیا کہ دو رکعتیں پڑھی تھیں، پوچھا کہ کیا صبح کی دو رکعتوں کا ذکر قرآن کریم میں ہے؟ قرآن کریم تو نہ نمازوں کی تعداد بیان کرتا ہے، نہ رکعتوں کا ذکر کرتا ہے اور نہ ہی یہ بتاتا ہے کہ ایک رکعت میں سجدے کتنے ہیں اور رکوع کتنے ہیں؟

یہ ساری تفصیلات جناب نبی اکرمؐ کی سنت مبارکہ سے ملتی ہیں، اس لیے جس طرح قرآن کریم کے حکم پر نماز پڑھنا فرض ہے، اسی طرح جناب نبی اکرمؐ کی بتلائی ہوئی تفصیلات اور طریقے کے مطابق نماز پڑھنا بھی فرض ہے۔ یہی صورتحال باقی فرائض مثلاً زکوٰۃ، روزہ اور حج کی بھی ہے۔

سفر کا قرآنی حکم اور اسوۂ نبویؐ

میں اس کی ایک مثال اور بھی دینا چاہوں گا کہ حالتِ سفر میں نماز دوگانہ پڑھنے کا حکم ہے مگر قرآن کریم میں اس اجازت کے ساتھ یہ شرط ہے ”لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا“ (النساء ۱۰۱) سفر میں نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر تم دشمن کی طرف سے آزمائش میں ڈالے جانے کا خوف رکھتے ہو، یعنی اگر دشمن کا خوف ہو تو نماز دوگانہ پڑھ سکتے ہو۔ اس کا ظاہری مطلب یہ بنتا ہے کہ قصر نماز کا تعلق حالتِ جنگ اور حالتِ خوف سے ہے، اور حالتِ امن میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ اشکال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے ذہن میں آیا جب وہ حجۃ الوداع میں نبی اکرمؐ کے ساتھ تھے، سارے سفر میں آتے ہوئے اور جاتے ہوئے جناب نبی اکرمؐ نے دوگانہ نماز پڑھی۔ حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ فتح مکہ اور جزیرۃ العرب پر غلبہ اور کنٹرول کے بعد تو حالتِ خوف باقی نہیں رہی اور خاص طور پر حجۃ الوداع کا سفر اسلام کے غلبہ اور قوت کے بھرپور اظہار کا سفر ہے، اب ہم دوگانہ نماز کیوں پڑھ رہے ہیں جبکہ قرآن کریم نے قصرِ نماز کو ”ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا“ کے ساتھ مشروط کیا ہے؟ انہوں نے اس اشکال کا تذکرہ جناب نبی اکرمؐ سے کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہے، اسے واپس کیوں کر رہے ہو؟ میں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتا ہوں کہ ہم حالتِ امن میں قصر کر رہے ہیں اور وحی کا سلسلہ بھی جاری ہے مگر اللہ تعالیٰ اس سے منع نہیں فرما رہے

توتم اس مہربانی پر اشکال کا اظہار کیوں کر رہے ہو؟

میں یہاں جس بات پر بطور خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حالتِ خوف میں قصر نماز ہم قرآن کریم کے حکم کے مطابق پڑھتے ہیں مگر حالتِ امن میں قصر نماز جناب نبی اکرمؐ کی سنت کی وجہ سے پڑھتے ہیں، اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس طرح قرآن کریم دین میں اتھارٹی ہے اسی طرح جناب نبی اکرمؐ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول اور نمائندہ ہونے کی وجہ سے اتھارٹی ہیں۔ اور جس طرح قرآن کریم کے حکم سے کوئی عمل واجب ہوتا ہے اسی طرح جناب نبی اکرمؐ کے حکم سے بھی عمل واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ جناب نبی اکرمؐ کا کوئی بھی ارشاد یا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکیر نہ ہونے کی صورت میں حکماً وحی کا درجہ اختیار کر لیتا ہے، اور وحی کی خاموشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم بن جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا جواب

حضرت امام شافعیؒ اس مسئلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے ہیں، تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا حالتِ احرام میں بھڑ مارنا جائز ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں جائز ہے۔ سوال ہوا کہ کیا یہ قرآن کریم میں ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وما أتاكم الرسول فخذوه" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم پر میرے ساتھ میرے خلفاء راشدینؓ کی سنت بھی لازم ہے"۔ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ حالتِ احرام میں بھڑ مارنا جائز ہے۔ گویا حضرت عمرؓ کا فرمان جناب نبی اکرمؐ کا فرمان ہے اور نبی اکرمؐ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

احکامِ نبویؐ کی دینی حیثیت

یہاں ایک فرق کی وضاحت ضروری ہے کہ جناب نبی اکرمؐ کا ہر ارشاد براہ راست قرآن کریم کا حصہ تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" کے مطابق قرآنی تعلیمات کا حصہ ضرور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہی ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے فرمان کا مقصد بھی یہی ہے۔ جبکہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت جناب نبی اکرمؐ نے خود بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ "الا وانی أوتيت القرآن ومثله

معہ'' خبردار مجھے قرآن کریم بھی دیا گیا ہے اور اس جیسے اور احکام بھی دیے ہیں۔ اسی ارشاد گرامی میں جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حرام قرار دیتا ہوں وہ بھی ویسے ہی حرام ہے، جیسے وہ چیز حرام ہے جسے قرآن کریم نے حرام کہا ہے......

جناب نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں صورتحال یہ تھی کہ آپ کی کوئی بات اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہوتی تو اس پر وحی کے ذریعہ نکیر ہو جاتی تھی، اور ایسی چند باتوں کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے۔ لیکن جناب نبی اکرمؐ کے وصال اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد آپؐ کا ہر وہ ارشاد اور عمل وحی کا درجہ اختیار کر گیا ہے جس پر آپؐ کی زندگی میں وحی کے ذریعہ نکیر نہیں ہوئی۔ مثلاً قرآن کریم نے خنزیر کو حرام کیا ہے مگر کتے کا ذکر نہیں کیا، اور کتے کے حرام ہونے کا اعلان جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا جس پر وحی خاموش رہی ہے، اس لیے جیسے خنزیر حرام ہے اسی طرح کتا بھی حرام ہے۔

حضرات محترم! میں نے جناب نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کے صرف ایک پہلو پر مختصراً کچھ گزارشات پیش کی ہیں کہ نبی اکرمؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف پیغامات پہنچانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ وحی اور پیغامات پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کے لیے نمونہ اور اسوہ بھی تھے اور دین پر عملدرآمد کے حوالہ سے آئیڈیل اور اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے جس طرح قرآن کریم کے ارشادات کی تعمیل ضروری ہے اسی طرح جناب نبی اکرمؐ کے فرمودات اور سنتوں کی پیروی بھی لازم ہے، بلکہ قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے کہ ''من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ'' (النساء ۸۰) جس نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی وہی قبول ہوگی جو جناب نبی اکرمؐ کی اتباع کی صورت میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔

حقوق کا شعور اور اسوۂ نبوی ﷺ

۲۴ مارچ ۲۰۱۱ء کو آسٹریلیا مسجد لاہور میں خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میں جامعہ عثمانیہ کے منتظمین مولانا حافظ محمد سلیم، مولانا شاہد اور ان کے رفقاء بالخصوص اپنے پرانے بزرگ دوست مولانا عبد الرؤف ملک (فاضل نصرۃ العلوم) کا شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے آپ دوستوں کے ساتھ مختلف نشستوں میں انسانی حقوق اور اسلامی تعلیمات کے عنوان پر کچھ گزارشات پیش کرنے کا موقع ملا۔ گزشتہ سات نشستوں میں ہم نے انسانی حقوق کے حوالہ سے جن پہلوؤں پر بات کی ہے، ان میں انسانی حقوق کا مغربی فلسفہ، انسانی حقوق کا اسلامی فلسفہ، انسانی حقوق کا بین الاقوامی چارٹر، اسلامی احکام و قوانین پر انسانی حقوق کے حوالہ سے اعتراضات، موجودہ عالمی تہذیبی کشمکش میں اسلامی شریعت اور مغرب کے فلسفہ، انسانی حقوق کے درمیان محاذ آرائی کے مختلف محاذ اور قادیانیت، تحفظ ناموس رسالتؐ، خاندانی نظام، آزادی رائے اور مذہبی آزادی کے بارے میں مغربی لابیوں کی فکری یلغار کے عنوانات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دینِ اسلام میں انسانی حقوق کی پاسداری

آج کی نشست میں، جو اس موضوع پر اس سلسلہ کی آخری نشست ہے، اسلامی تعلیمات اور سنتِ نبویؐ میں انسانی حقوق کی پاسداری کے حوالہ سے کچھ واقعات عرض کرنا چاہوں گا تاکہ مغرب کے اس پروپیگنڈا اور دعوے کی حقیقت واضح ہو سکے کہ دنیا کو اس نے حقوق کا شعور عطا کیا ہے اور انسانی حقوق کی پاسداری کا دور مغرب کے تہذیبی انقلاب سے شروع ہوا ہے۔ حالانکہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انسانی سوسائٹی میں انسانی حقوق کے شعور اور ان حقوق کی عملداری کا علم چودہ صدیاں قبل اسلام نے پیش کیا تھا اور جناب نبی اکرمؐ کی تعلیمات اس سلسلہ میں بنیادی سرچشمے کی حیثیت

رکھتی ہیں۔

اس موضوع پر تفصیلی گفتگو اور طویل مباحثہ کی بجائے چند واقعاتی شہادتوں کی طرف اشارہ کروں گا کیونکہ اس سے زیادہ کے لیے وقت متحمل نہیں ہے جبکہ ہر پہلو تفصیل کے ساتھ گفتگو کا متقاضی ہے۔

بچوں کے حقوق

مثلاً بچوں کے حقوق کے سلسلہ میں دیکھیے کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مجلس میں تشریف فرما تھے، آپ کے دائیں جانب حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے تھے جو اس وقت تیرہ چودہ سال کے لڑکے تھے جبکہ بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے بزرگ صحابہ کرامؓ مجلس میں تھے، کسی صاحب نے اس دوران جناب نبی اکرمؐ کو مشروب پیش کیا جو آپؐ نے نوش فرمایا اور چند گھونٹ پیالے میں بچ گئے۔ نبی اکرمؐ کی خواہش یہ پیالہ بائیں طرف حضرت ابوبکرؓ کو دینے کی تھی مگر حق دائیں طرف عبداللہ بن عباسؓ کا بنتا تھا۔

آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے باقاعدہ دریافت کیا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو یہ پیالہ بائیں طرف دے دوں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ کہہ کر اجازت دینے سے انکار کر دیا کہ میں آپؐ کے تبرک کے بارے میں کسی کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دیتا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس پر جناب نبی اکرمؐ نے قدرے ناگواری کے ساتھ "فتلہ فی یدہ" زور سے پیالہ عبداللہ بن عباسؓ کے ہاتھ میں تھما دیا، یعنی عبداللہ بن عباسؓ کے انکار پر اگرچہ نبی اکرمؐ کو قدرے ناگواری ہوئی مگر اس کے باوجود پیالہ اسی کو دیا جس کا حق بنتا تھا۔

عورتوں کے حقوق

اسی طرح عورتوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے اور اکثر اوقات یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام عورت کو رائے کا حق نہیں دیتا اور اظہار رائے کی آزادی کا موقع نہیں دیتا۔

مجادلہ کا حق

اس عنوان سے اسلام کے خلاف ایک عرصہ سے مسلسل پروپیگنڈا جاری ہے جبکہ حقائق یہ ہیں کہ

مجھ سے بعض دوست پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام عورت کو رائے کا حق دیتا ہے؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اسلام عورت کو صرف رائے کا نہیں بلکہ مجادلہ کا حق دیتا ہے اور ''المجادلة'' کے نام سے قرآن کریم کی ایک پوری سورت اس کی گواہ ہے۔ عورت کا مزاج و نفسیات یہ ہے کہ وہ صرف رائے پیش نہیں کرتی بلکہ اس کے لیے مجادلہ بھی کرتی ہے، اس لیے اس کے حوالہ سے قرآن کریم نے ذکر کیا ہے کہ ایک عورت نے مجادلہ کیا اور وہ بھی جناب نبی اکرمؐ سے کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سنی اور اسی کے حق میں قرآن کریم میں فیصلہ صادر کر دیا۔

حضرت عمرؓ اور مدینہ کی خواتین

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ہم جاہلیت کے دور میں عورتوں کو کوئی مقام و حیثیت نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے، اور اس بات کا ہمارے ہاں تصور بھی نہیں تھا کہ عورت اپنے خاوند یا باپ کو کسی بات پر ٹوک سکتی ہے۔ جب اسلام آیا تو ہمیں پتہ چلا کہ معاشرہ میں عورتوں کی بھی ایک حیثیت ہے اور انہیں رائے دینے کا حق حاصل ہے۔

حضرت عمرؓ اسی روایت میں فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک روز میں نے گھر میں کوئی بات کی تو بیوی نے مجھے ٹوک دیا جس پر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اسے ڈانٹ دیا کہ تمہارا کیا کام ہے کہ تم میرے معاملات میں روک ٹوک کرو اور کوئی رائے دو۔ اس نے کہا کہ مجھے ڈانٹنے کی بجائے اپنی بیٹی حفصہؓ کی خبر لو کہ جناب نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات بھی گھر میں روک ٹوک کرتی ہیں اور بعض معاملات پر ناراضگی کا اظہار بھی کرتی ہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر فوراً اٹھا اور سیدھا ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے گھر گیا جو حضرت عمرؓ کی بیٹی اور جناب نبی اکرمؐ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہمارے گھر میں میاں بیوی کے درمیان روک ٹوک ہوتی ہے اور ہم آپس میں کبھی ناراضگی کا اظہار بھی کر لیا کرتے ہیں جیسا عام طور پر میاں بیوی میں ہو جایا کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو ڈانٹا کہ جناب نبی اکرمؐ کے ساتھ روک ٹوک اور ناراضگی کا معاملہ مت کیا کرو، جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتا دیا کرو مگر حضورؐ کو ناراض مت کرو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حفصہؓ کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر گیا

اور ان سے بات کی، وہ حضرت عمرؓ کی کزن تھیں، انہوں نے الٹا حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ آپ ہر معاملہ میں دخل دیتے ہیں اور اب میاں بیوی کے معاملہ میں بھی دخل دینے آگئے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''فکسرتنی'' اس نے تو میرا حوصلہ ہی توڑ دیا۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ جناب نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ سنا دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ام سلمہؓ کا ذکر کیا تو ''فتبسم و قال هی ام سلمة'' جناب نبی اکرمؐ مسکرائے اور فرمایا کہ ''وہ ام سلمہؓ ہے''۔

اس واقعہ کے ساتھ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اب مجھے پتہ چلا کہ عورت کی بھی رائے ہوتی ہے اور اس کا مقام و مرتبہ اور اس کی کوئی معاشرتی حیثیت ہے۔

بریرہؓ اور مغیثؓ کا واقعہ

حضرت بریرہؓ کا واقعہ بھی مشہور ہے جو امام بخاریؒ نے مختلف حوالوں سے بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''حدیثِ بریرہؓ'' سے فقہاء نے ایک سو سے زیادہ مسائل مستنبط کیے ہیں۔

وہ لونڈی تھیں مگر جب حضرت عائشہؓ کی مہربانی سے آزاد ہوئیں تو انہیں ''خیارِ عتق'' حاصل ہو گیا کہ وہ اپنے خاوند حضرت مغیثؓ کے نکاح میں رہنا چاہتی ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ ان کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتیں تو انہیں الگ ہونے کا حق حاصل ہے، یہ حق استعمال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے خاوند سے علیحدگی اختیار کر لی جس پر حضرت مغیثؓ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے بریرہؓ کی بہت منت سماجت کی کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے مگر وہ تیار نہ ہوئی۔

ایک دن جناب نبی اکرمؐ نے دیکھا کہ مغیثؓ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھوم رہے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ''کوئی ہے جو بریرہؓ کو منا دے؟'' یہ کیفیت دیکھ کر جناب نبی اکرمؐ نے خود بریرہؓ سے بات کرنے کا فیصلہ اور بریرہؓ کو بلا کر فرمایا کہ مغیثؓ بہت ہی پریشان ہے، کیا تم اپنا فیصلہ واپس نہیں لے سکتیں؟ بریرہؓ نے صرف اتنا پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ سمجھدار لڑکی تھی، سمجھتی تھی کہ حکم کی صورت میں تو کسی مسلمان کی مجال نہیں ہے کہ وہ جناب نبی اکرمؐ کے حکم سے سرتابی کر سکے، اس لیے اس نے پوچھ لیا۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ یہ حکم نہیں ہے بلکہ

صرف مشورہ ہے تو اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ "لا حاجة لی بها" مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خیال فرمائیے کہ ایک آزاد شدہ لونڈی ہے مگر اپنا حق ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جبکہ جناب نبی اکرمؐ نے اس کے بعد نہ اسے دوسری بار فرمایا اور نہ ہی کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کیا۔

چند واقعات میں نے اس لیے عرض کیے ہیں کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ نسلِ انسانی کو حقوق کا شعور اسلام نے دیا اور آسمانی تعلیمات نے انسان کو بتایا کہ اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیا ہیں؟ اور جن انسانوں کے ساتھ وہ زندگی گزار رہا ہے اس کے ذمہ ان کے حقوق کیا ہیں؟

محنت کشوں کے حقوق

محنت کشوں اور مزدوروں کے بارے میں دیکھ لیجیے۔ اس زمانہ میں غلام ہوتے تھے جو اَب نہیں رہے لیکن ہاری، مزدور، کسان، پانڈی اور دوسرے نوکر ہمارے معاشرہ میں وہی درجہ رکھتے ہیں اور جناب نبی اکرمؐ نے ان کے ساتھ مہربانی اور حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کا واقعہ

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کی ایک لونڈی ان کی بکریاں چرا رہی تھی، اس کی غفلت کی وجہ سے بھیڑیا اس کے ریوڑ سے ایک بکری لے گیا۔ حضرت ابو مسعودؓ نے اسے غصہ میں تھپڑ مار دیا۔ جناب نبی اکرمؐ دیکھ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ اے ابو مسعودؓ، اللہ تعالیٰ تم پر اس سے کہیں زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنا تم اس لونڈی پر طاقت رکھتے ہو۔ حضرت ابو مسعودؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! کیا میں اسے اس زیادتی کے کفارے میں آزاد نہ کر دوں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر تم اسے آزاد نہیں کرو گے تو "للفحتک النار" آگ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ چنانچہ ابو مسعودؓ نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت

اس طرح حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرمؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ یہ جو تمہارے غلام اور ماتحت لوگ ہیں یہ بھی تمہارے بھائی ہیں، یہ تقدیر سے تمہارے ماتحت ہوگئے ہیں،

اس لیے کسی شخص کے ہاتھ کے نیچے یعنی اس کے ماتحت کوئی نوکر، خادم یا غلام ہو تو اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ اور اس کے ذمہ کوئی ایسا کام نہ لگائے جو اس کی ہمت سے زیادہ ہو، اور اگر کوئی ایسا کام اس کے ذمہ لگا دیا ہے تو خود اس کے ساتھ معاونت کرے۔

بیسیوں ارشادات میں جناب نبی اکرمؐ نے ماتحتوں اور غلاموں کے بارے میں حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کے حقوق بیان فرمائے ہیں جن میں سے صرف ایک دو کا ذکر کر سکا ہوں۔

حقوقِ انسانی کے شعور کا شاندار ماضی

میری گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ انسانی حقوق کے بارے میں جناب نبی اکرمؐ کی تعلیمات اور اسلامی احکام و قوانین مغرب میں انسانی حقوق کی طرف پیشرفت سے کم از کم بارہ سو سال قبل انسانی سوسائٹی میں اپنی عملداری قائم کر چکے تھے، مگر مغرب اس کو نظر انداز کر کے خود اس بات کے لیے چیمپئن بننے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس نے نسلِ انسانی کو حقوق کا شعور بخشا ہے اور حقوقِ انسانی کے دور کا آغاز کیا ہے۔

اس سلسلہ میں علماء کرام، خطباء وائمہ اور مدرسین واساتذہ سے میں بطور خاص عرض کروں گا کہ وہ اپنے شاندار ماضی سے واقفیت حاصل کریں، خلافتِ راشدہؓ کے نظام اور روایات کا بطور خاص مطالعہ کریں، اور آج کے حالات و مسائل اور ضروریات و مشکلات کو سامنے رکھ کر قرآن و سنت سے ان کے لیے راہنمائی تلاش کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں نسلِ انسانی کی راہنمائی کریں۔ میں پورے اعتماد اور شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں کہ قرآن و سنت اور خلافتِ راشدہ کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں آج کے کسی انفرادی یا اجتماعی مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں مایوسی نہیں ہوگی، تھوڑی دماغ سوزی اور جگر سوزی کرنا پڑے گی اور ہر مسئلہ کا حل مل جائے گا۔

ہم نے آج کے مسائل کا حل یہ سمجھا ہوا ہے کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے اور آنکھیں بند کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزر جایا جائے، یہ حل نہیں بلکہ فرار ہے، اسلام فرار کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مسائل کا سامنا کرنے اور انہیں حل کرنے کی ہدایت دیتا ہے، جس کی ذمہ داری سب سے زیادہ علماء کرام بالخصوص دینی مدارس کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح رخ پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

غزوۂ تبوک اور حضرت کعب بن مالکؓ

روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۲۵ اگست ۲۰۱۱ء

بروکلین نیویارک کی مکی مسجد میں تراویح کے دوران حافظ صاحبان نے گیارہواں پارہ پڑھا، تراویح کے بعد مجھے کچھ بیان کرنا تھا، میں نے انہی آیاتِ کریمہ میں سے ایک واقعہ کا انتخاب کیا اور قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔ قارئین کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔

یہ واقعہ تین صحابہ کرامؓ حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت ہلال بن امیہؓ اور حضرت مرارہ بن ربیعؓ کا ہے جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسلسل پچاس دن تک سوشل بائیکاٹ کی سزا دی تھی۔ قرآن کریم کی سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۸ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور بخاری شریف کی تفصیلی روایت میں خود حضرت کعب بن مالکؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضورؐ کی غزوہ کے لیے روانگی

وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک ایسے موقع پر پیش آیا جب فصلیں پک چکی تھیں، گرمی کا موسم تھا اور سفر لمبا تھا۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ کسی غزوہ پر جاتے ہوئے اپنے ہدف کا اعلان نہیں کرتے تھے تاکہ دشمن کو کسی ذریعے سے خبر نہ ہو جائے۔ مگر تبوک کا سفر چونکہ رومیوں سے جنگ کے لیے تھا جس کے لیے شام کی سرحد تبوک تک جانا تھا۔ ایک ماہ کا سفر تھا اور واپسی پر بھی ایک ماہ لگنا تھا جبکہ وہاں کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا، اس لیے کہ قیصرِ روم خود ایک لاکھ فوج لے کر شام میں پہنچ چکا تھا اور مسلمانوں پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ مگر جناب نبی اکرمؐ اسے حملے کا موقع دینے کی بجائے خود وہاں جا کر سرحد پر اس سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ مقابلہ بڑی طاقت سے تھا اس لیے نبی اکرمؐ نے عام لام بندی کا اعلان کر دیا اور واضح طور پر بتا دیا کہ رومیوں کے مقابلے میں جانا ہے تاکہ سب لوگ

پوری طرح تیار ہو جائیں، حکم یہ تھا کہ جو بھی لڑنے کے قابل ہے وہ ساتھ چلے۔

کعب بن مالکؓ کا کہنا ہے کہ میں پوری طرح تیار تھا، دو سواریاں بھی خرید رکھی تھیں اور ویسے بھی ٹھیک حال میں تھا لیکن روانگی کے موقع پر مجھ سے سستی ہو گئی کہ آج تیاری کرتا ہوں، کل سامان خریدوں گا، اور اسی آج کل میں جناب نبی اکرمؐ روانہ ہو گئے۔ میں پھر بھی مطمئن تھا کہ اچھی سواری رکھتا ہوں، ایک دو روز بعد بھی روانہ ہوا تو قافلے سے جاملوں گا۔ مگر سستی بدستور چلتی رہی حتیٰ کہ کئی روز گزر گئے اور میں نے یہ اندازہ کر لیا کہ اب نہیں پہنچ سکوں گا۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد مدینہ منورہ میں یا معذور لوگ رہ گئے تھے، یا ایسے لوگ جنہیں ہم منافقین شمار کرتے تھے۔ مجھے اپنے آپ کو ان کے درمیان دیکھ کر شرمندگی سی ہوتی تھی مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

دورانِ سفر ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کعبؓ نے کیا کیا؟ ایک شخص نے کہا کہ اس کو مزاج کی نزاکت اور نخرے نے روک لیا ہے۔ حضرت جابرؓ بھی موجود تھے، انہوں نے ٹوک دیا کہ وہ مخلص صحابی ہے اس کے بارے میں ایسی بات کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

غزوہ سے واپسی

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جوں جوں جناب رسول اللہؐ کی واپسی کی خبریں مل رہی تھیں مجھے فکر لاحق تھی کہ آپؐ کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا؟ اتنے میں تقریباً تین ماہ کے بعد رسول اکرمؐ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ جبکہ میں نے ایک روز پہلے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کوئی بہانہ نہیں تراشوں گا اور صاف صاف اصل بات عرض کر دوں گا، اس پر جو فیصلہ ہو گا وہ میرے لیے بہتر ہی ہو گا۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے۔ آپؐ جب تشریف لا کر مسجد میں بیٹھے تو لوگوں نے آنا شروع کر دیا جو مختلف قسم کے عذر بہانے کر کے اس غزوہ میں اپنی غیر حاضری پر معذرت کرتے اور حضور علیہ السلام اسے قبول فرما لیتے۔ یہ کم و بیش ۸۰ افراد تھے جنہیں ہمارے ہاں عام طور پر منافقین میں شمار کیا جاتا تھا۔

میں بھی حاضر ہوا، جناب نبی اکرمؐ نے غضب آلود تبسم کے ساتھ میرے سلام کا جواب دیا اور

پوچھا کہ میں ان کے ساتھ سفر پر کیوں نہیں گیا؟ جبکہ میری تیاری بھی حضورؐ کے علم میں تھی۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں بھی بظاہر کوئی معقول بہانہ پیش کر کے وقتی طور پر آپؐ کو مطمئن کر سکتا ہوں لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کل وحی کے ذریعے آپؐ کو اصل صورتحال سے آگاہ کر دیا جائے گا تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اس لیے سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ میرا کوئی عذر نہیں تھا اور کوئی رکاوٹ نہیں تھی بس آج کل کرتے کرتے سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔

جناب رسول اللہؐ نے فرمایا تم نے چونکہ سچ بولا ہے اس لیے تم اپنے بارے میں فیصلے کا انتظار کرو۔ اور عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ تاحکمِ ثانی اس کے ساتھ بول چال اور لین دین بند رکھو۔

حضرت کعبؓ کا معاشرتی مقاطعہ

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اس سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے مدینہ منورہ کی سرزمین میرے لیے تنگ ہو گئی۔ نہ کوئی مجھ سے بات کرتا ہے، نہ سلام کہتا ہے، نہ سلام کا جواب دیتا ہے اور نہ ہی میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مجھے مدینہ منورہ کے درودیوار اجنبی لگ رہے تھے اور میں اپنے ہی شہر میں انجانا مسافر ہو کر رہ گیا تھا۔ چند ہی روز میں میرا سانس گھٹنے لگا۔ میری پریشانی کی دو بڑی وجہیں تھیں:

- ایک یہ کہ اگر اس دوران میرا انتقال ہو گیا تو نبی اکرمؐ میرا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔
- اور اگر خدانخواستہ اس کیفیت میں خود جناب نبی اکرمؐ چل بسے تو میری باقی ساری زندگی اس سوشل بائیکاٹ کے ماحول میں گزرے گی۔

مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ دو اور بدری صحابی حضرت ہلال بن امیہؓ اور حضرت مرارہ بن ربیعؓ بھی اسی صورتحال سے دوچار ہیں تو پریشانی کچھ کم ہوئی کہ میں اس سزا میں اکیلا نہیں ہوں۔ وہ دونوں کمزور اور بوڑھے تھے اس لیے گھروں میں بیٹھ گئے، جبکہ میں نسبتاً جوان اور صحت مند تھا اس لیے مسجد نبوی میں نمازوں میں حاضری اور بازار میں آنے جانے کا سلسلہ جاری رکھا۔

شاہِ غسان کی طرف سے سیاسی پناہ کی دعوت

ایک روز میں بازار جا رہا تھا تو دیکھا کہ شام سے آنے والا ایک قبطی تاجر آواز دے رہا ہے کہ کوئی مجھے کعب بن مالکؓ کا گھر بتائے گا؟ بازار سے گزرنے والے کسی شخص نے اشارے سے میرے بارے میں

بتایا کہ وہ جارہا ہے۔ وہ قبطی آکر مجھ سے ملا اور ایک خط پیش کیا جو غسان کے بادشاہ کی طرف سے تھا اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے سردار کی طرف سے ذلت اور توہین کا سامنا کر رہے ہو حالانکہ تم محترم شخصیت ہو اور ایسے سلوک کے مستحق نہیں ہو۔ اس لیے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہیں سیاسی پناہ دیں گے اور عزت و اکرام کا معاملہ کریں گے۔''

میں نے خط پڑھ کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا کہ کیا یہ امتحان ابھی باقی رہ گیا تھا؟ میں اس قبطی کو ساتھ لے کر اپنے محلے کے ایک تنور پر گیا جس میں آگ جل رہی تھی، میں نے وہ خط جلتی ہوئی آگ میں پھینک کر اس قبطی سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے جاکر کہہ دینا کہ یہ اس کے خط کا جواب ہے۔

گھریلو مقاطعہ بھی!

ہم مسلسل چالیس روز تک اسی کیفیت میں رہے کہ ایک روز جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام آیا کہ اپنی بیویوں سے الگ ہو جاؤ اور ان کے قریب نہ جاؤ۔

ہلال بن امیہؓ کی بیوی نے یہ کہہ کر گھر میں رہنے کی اجازت لے لی کہ یا رسول اللہؐ! اس کا تو روٹی پکانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ آپؐ نے یہ فرما کر اجازت دے دی کہ ضروری کاموں کے لیے تم گھر میں رہ سکتی ہو لیکن تم ایک دوسرے کے قریب نہیں جاؤ گے۔

مجھے مشورہ دیا گیا کہ اس قسم کی اجازت میں بھی حاصل کر لوں مگر میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں، نباہ نہیں سکوں گا۔ اس لیے میں نے بیوی سے کہا کہ تم میکے چلی جاؤ اور کوئی فیصلہ ہونے تک وہیں رہو۔

اس دوران میں مسجد نبوی میں جاتا رہا، نماز میں شریک ہوتا تھا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا تھا۔ حاضر ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں سلام عرض کرتا اور منہ دوسری طرف کر کے کن انکھیوں سے دیکھتا کہ کیا آپؐ نے میرے سلام کا جواب دیا ہے؟ مگر ادھر مکمل خاموشی رہتی تھی۔

حضرت ابوقتادہؓ کا جواب

اسی امتحان و آزمائش میں روز و شب گزر رہے تھے کہ ایک روز میں اپنے چچا زاد بھائی اور گہرے دوست ابوقتادہؓ کے پاس اس کے گھر چلا گیا۔ میں نے سلام کیا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اسے کہا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ قلبی محبت رکھتا ہوں؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دوبارہ سہ بارہ قسم دلا کر پوچھا تو اس نے صرف اتنا ہی کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر میں انتہائی مایوسی کے عالم میں روتے ہوئے اس گھر سے نکل آیا۔

معافی کی اطلاع کا دلچسپ واقعہ

ہمارے ساتھ مدینہ منورہ کے لوگوں کے اس سوشل بائیکاٹ پر پچاس راتیں گزر چکی تھیں اور ہماری پریشانی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا کہ ایک روز میں فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو مجھے گھر کے سامنے کے پہاڑ سلع سے آواز سنائی دی کہ

"اے کعب! خوش ہو جاؤ!"

میں سمجھ گیا کہ ہماری معافی کا اعلان آ گیا ہے۔ ہوا یوں کہ رات کو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہماری معافی کا فیصلہ سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کے ذریعے صادر فرما دیا تھا۔ اور جناب نبی اکرمؐ نے صبح نماز فجر کے بعد جب مسجد نبوی میں اس کا اعلان فرمایا تو دو حضرات مجھے اس کی خبر دینے کے لیے دوڑ پڑے، اور ان میں مجھے یہ خبر پہلے دینے میں مقابلہ ہو گیا۔ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑی راستوں سے گزرتے ہوئے میری طرف تیزی سے آ رہا تھا۔ جبکہ دوسرا پیدل ہی دوڑ پڑا اور درمیانی راستوں سے ہوتے ہوئے میرے گھر کے بالکل قریب جبل سلع تک پہنچ گیا، یہ صاحب حضرت حمزہ اسلمیؓ تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ گھڑ سوار ان سے پہلے کعبؓ کے گھر پہنچ جائے گا تو انہوں نے اسی پہاڑ سے میرے گھر کی طرف رخ کر کے میرے لیے خوشخبری کی آواز لگا دی جو مجھے فوراً پہنچ گئی اور وہ گھڑ سوار پر سبقت لے گئے۔

رسول اللہؐ کی خدمت میں

میں دیوانہ وار گھر سے نکلا، اپنے کپڑے خوشخبری دینے والے کو انعام کے طور پر دیے اور خود پڑوسی سے مانگ کر کپڑے پہنے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو وہ صحابہ کرامؓ کے جھرمٹ میں انتہائی خوشی کے عالم میں تشریف فرما تھے۔ حضرت طلحہؓ نے آگے بڑھ کر میرا استقبال کیا اور جناب رسول اللہؐ نے مجھے اس آزمائش میں سرخرو ہونے پر مبارکباد دی۔

میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے سچ بولنے کی وجہ سے یہ اعزاز ملا ہے اس لیے وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اور آج میں اعلان کرتا ہوں کہ اس خوشی میں میرا سارا مال و جائیداد اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ سارا نہیں، اپنے لیے بھی کچھ روک لو۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، خیبر میں ملنے والا باغ میں اپنے لیے روک لیتا ہوں، اس کے سوا باقی میرا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے۔

درسگاہِ نبوی ﷺ کے دو طلبہ

۷ ستمبر ۲۰۱۱ء بمطابق ۸ اشوال المکرم ۱۴۳۲ھ کو جامعہ نصرۃ العلوم کے
نئے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر اساتذہ وطلبہ سے خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آج ہم بحمد اللہ تعالیٰ اپنے نئے تعلیمی سال کا آغاز کر رہے ہیں اور اس پر میں مدرسہ کی انتظامیہ، اساتذہ، طلبہ اور معاونین سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ گلشنِ علم ہمارے بزرگوں کی بالخصوص حضرات شیخینؒ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ کی یادگار اور ان کا صدقۂ جاریہ ہے۔ ان کارگوں نے اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ جس خلوص، محنت اور لگن سے اس گلشنِ علم وفکر کی آبیاری کی، اگر ہم کسی موقع پر ان کا نام نہ لیں تب بھی اس مرکز میں ہونے والے ہر علمی و دینی کام کے ثواب واجر کے اولین مستحق وہی ہیں۔ لیکن یہ ہم پر ان کا حق ہے کہ ہم ان کا نام بھی لیں، ان کا تذکرہ کریں اور بارگاہِ ایزدی میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے رہیں، اس لیے کہ ہم آج جو کچھ بھی ہیں انہی کی وجہ سے ہیں اور ان کی برکت کے باعث ہیں۔ ہمارا تعارف اور ہماری عزت انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہے ورنہ ہمارا حال وہی ہے جو غالب مرحوم نے کہا تھا۔

بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

ہمارے ایک بڑے بزرگ حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ اپنے خطاب میں اکثر کہا کرتے تھے ''کبرنی موت الکبراء'' کہ مجھے بڑوں کی موت نے بڑا بنا دیا ہے۔ مگر وہ اس کے ترجمہ میں ایک چھوٹے سے جملے کا اضافہ کر دیا کرتے تھے جس سے اس معنویت میں اضافہ ہو جاتا تھا اور میں خاص طور پر اس سے بہت محظوظ ہوا کرتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ ''بڑوں کی موت نے ہم جیسوں کو بھی بڑا بنا

دیا''۔ حضرت درخواستیؒ تو کسرِ نفسی کرتے تھے مگر سچی بات یہ ہے کہ ہمارا معاملہ فی الواقع اسی طرح کا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرات شیخینؒ اور ان کے رفقاء کے آباد کردہ اس گلشن کو ہمیشہ آباد رکھیں، ہمیں اس کی آبیاری کرتے رہنے کی توفیق دیں، اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، آمین۔

میں تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر عزیز طلبہ کو برکت کے لیے درسگاہِ نبویؐ کے دو طلبہ کا واقعہ سنانا چاہتا ہوں کہ ہمارے لیے راہنمائی کا سرچشمہ وہی لوگ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ''انا سادس فی الاسلام'' میں نے چھٹے نمبر پر اسلام قبول کیا تھا۔

بکری کے دودھ کا واقعہ

ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ مؤرخین نے کچھ اس طرح لکھا ہے کہ جناب نبی اکرمؐ اور سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ ایک دن دوپہر کے وقت مکہ مکرمہ کی کسی پہاڑی پر جا رہے تھے، دوپہر کا وقت تھا، گرمی تھی، انہیں پیاس محسوس ہوئی تو ارد گرد پانی تلاش کیا جو نہ ملا۔ قریب ہی ایک لڑکا بکریاں چرا رہا تھا، اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ کوئی بکری دودھ والی ہے تو اس کا دودھ پلا دو۔ لڑکے نے کہا کہ دودھ والی بکریاں ہیں لیکن دودھ نہیں پلاؤں گا اس لیے ''انا امین'' کہ میں امین ہوں، بکریاں میری نہیں ہیں اور مالک کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔

یہ لڑکا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے جو عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا کہ کوئی ایسی بکری بھی ہے جس کا دودھ خشک ہو چکا ہو، اس لڑکے نے جواب دیا کہ ہاں اس قسم کی بکریاں ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان میں سے ایک بکری منگوائی اور اس کے تھنوں پر ہاتھ رکھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ نبی اکرمؐ نے دودھ دوہ کر خود بھی پیا اور حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی پلایا۔ پھر بکری کے تھنوں پر ہاتھ رکھا تو وہ پہلے کی طرح خشک حالت میں واپس چلے گئے۔ یہ جناب نبی اکرمؐ کا معجزہ تھا اور ایسے اور بھی بہت سے معجزات احادیث میں مذکور ہیں۔

شام کو حضورؐ واپس گھر تشریف لا رہے تھے تو وہ لڑکا راستے میں انتظار میں کھڑا تھا۔ پوچھا کیسے آئے

ہو؟ جواب دیا کہ آپ نے آج دن کے وقت ایک خشک تھنوں والی بکری کے تھنوں پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا تھا جس سے بکری کے خشک تھن دودھ سے بھر گئے تھے، میں وہ منتر سیکھنے آیا ہوں۔ نبی اکرمؐ اس کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا ''انک غلام معلَّم'' کہ تم تو پڑھائے ہوئے لڑکے ہو۔ محدثینؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ جناب نبی اکرمؐ نے لڑکے کی دو باتوں پر خوش ہو کر حوصلہ افزائی کے لیے فرمایا تھا۔ ایک بات تو اس کا وہ صبح والا جملہ تھا کہ ''انا امین'' اور دوسرا اس کا کچھ سیکھنے کا جذبہ تھا جو اسے آپؐ کی خدمت میں لے آیا تھا۔ حضورؐ نے لڑکے سے فرمایا تم میرے پاس آیا کرو۔

میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ باقی حضرات صحابہ کرامؓ تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایمان قبول کرنے کے لیے آئے تھے، مگر یہ لڑکا پڑھنے اور سیکھنے کیلئے آیا تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے بھی نوازا اور علم میں بھی بلند مقام پر فائز کیا۔

احادیث میں القابات اور خانۂ رسول میں حیثیت

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کے بعد جس لگن اور شوق کے ساتھ علم حاصل کیا اس نے انہیں امت کے فقہاء کا سردار بنا دیا۔ احادیث میں مذکور ہے کہ یہ طالب علم مختلف القاب سے پکارا جاتا تھا۔ صاحب النعلین، صاحب السواک، صاحب السوریٰ، صاحب المطھرۃ جیسے القاب مختلف احادیث میں ان کے لیے مذکور ہیں۔

یہ واحد نوجوان ہیں جنہیں پردہ کے احکام اترنے کے بعد یہ کہا گیا تھا کہ جناب نبی اکرمؐ کے گھر میں آنے کے لیے ان کے لیے استیذان کی شرط نہیں ہے، انہیں اجازت تھی کہ جب نبی اکرمؐ کے گھر کا دروازہ کھلا ہو اور اندر سے نبی اکرمؐ کی آواز آ رہی ہو تو وہ اجازت مانگے بغیر اندر جا سکتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم یمن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو عبد اللہ بن مسعودؓ کے جناب نبی اکرمؐ کے گھر میں کثرت سے آنے جانے کی وجہ سے کافی عرصہ تک ہم انہیں رسول اللہؐ کے خاندان کا فرد سمجھتے رہے۔

تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کوفہ نئے شہر کے طور پر آباد ہوا تو وہاں سے ایک وفد نے امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ شہر بس گیا ہے، بازار،

مساجد اور دیگر مقامات بارونق ہوگئے ہیں مگر ایک کمی محسوس ہوتی ہے کہ کوئی بڑا مسئلہ پیش آتا ہے تو راہنمائی کے لیے مدینہ منورہ آنا پڑتا ہے جو مشکل کام ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ اپنے اعتماد کا کوئی بڑا عالمِ دین وہاں بھجوادیں جس سے ہم وہیں راہ نمائی حاصل کر لیا کریں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک عالم میں نے اپنی ضرورت کے لیے رکھا ہوا ہے لیکن وفد کو خالی ہاتھ بھیجنا مناسب نہیں ہے اس لیے وہ عالم میں تمہارے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے اعزاز

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو امیر المؤمنینؓ نے پابند کر رکھا تھا کہ وہ انہیں بتائے بغیر مدینہ منورہ سے باہر نہ جائیں، یہ سزا نہیں تھی بلکہ ان کا ایک طرح سے اعزاز تھا کہ مشورہ کے لیے امیر المؤمنینؓ کو کسی وقت بھی ان کی ضرورت پڑ سکتی تھی اور اسی لیے یہ پابندی لگائی گئی تھی۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ظاہری ہیئت یہ تھی کہ چھوٹا سا قد، دبلا پتلا جسم، چھوٹا سا سر اور اس پر بڑی پگڑی۔ انہیں اس کیفیت میں دیکھ کر وفد کا سربراہ ہنس پڑا اور کہا ''اتستهزئ بنا'' یا امیر المومنین؟ کہ امیر المؤمنین آپ ہمارے ساتھ استہزاء کر رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں استہزاء نہیں کر رہا بلکہ یہ شخص جو تمہیں نظر آ رہا ہے سر کے بالوں سے پاؤں کے تلووں تک سراپا علم ہے اور یہ علم کا بھرا ہوا برتن ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

دوسرا تذکرہ درسگاہِ نبویؐ کے ایک اور طالب علم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرمؐ کے وصال کے وقت میں پندرہ سال کا تھا، مجھے احساس ہوا اور میں نے ایک ہم عمر انصاری صحابی کے سامنے اس کا ذکر کیا کہ اس وقت تو بڑے بڑے صحابہ کرامؓ موجود ہیں اور لوگ دینی و علمی راہنمائی کے لیے ان سے رجوع کرتے ہیں، لیکن بیس تیس سال کے بعد جب یہ بڑے صحابہ کرامؓ موجود نہیں ہوں گے، اگر اس وقت ہم موجود ہوئے تو لوگ ہمیں بڑا سمجھ کر ہمارے پاس آئیں گے اور راہنمائی کے طالب ہوں گے۔ اس لیے ہمیں وقت سے فائدہ اٹھا کر اکابر صحابہ کرامؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اور اپنا علم مکمل کرنا چاہیے تا کہ کل جب لوگ ہم سے

رجوع کریں تو ہمیں شرمندگی نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ہم عمر انصاری صحابیؓ کو اس بات پر قائل نہ کر سکا، اس نے کہا کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہمیں کون پوچھے گا؟

حضرت عمرؓ کی خدمت میں

مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تنہائی میں یہ عمل شروع کر دیا، جن صحابی کے بارے میں مجھے معلوم ہوتا کہ علم کی فلاں بات وہ جانتے ہیں تو میں ان کی خدمت میں جاتا اور وہ علم حاصل کرتا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے یہ بات معلوم کرنے کے لیے مجھے ایک سال تک مناسب موقع کا انتظار کرنا پڑا کہ سورۃ التحریم میں ”ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما“ میں کن دو عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جب میں نے موقع پا کر یہ سوال کیا اور عرض کیا کہ اس سوال کے لیے ایک سال تک موقع کی تلاش میں رہا ہوں تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس آیت کریمہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے مجھ پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ سوال کرنے میں تاخیر کیوں کی اور فرمایا کہ جب کوئی بات معلوم کرنی ہو تو بلا جھجک پوچھ لیا کرو۔

بزرگوں کا اکرام

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا معمول تھا کہ جب کسی بزرگ کے پاس کوئی بات معلوم کرنے کے لیے جاتا تو ان کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا تھا بلکہ دروازے سے باہر ایک طرف کھڑا ہو کر انتظار کرتا تھا کہ جب اپنے معمول کے مطابق باہر آئیں گے تو پوچھ لوں گا، اس لیے کہ میں اپنی ضرورت کے لیے آیا ہوں انہیں تنگ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کبھی کبھی زیادہ وقت گزر جاتا تو دروازے سے باہر ایک طرف چادر بچھا کر انتظار میں بیٹھ جاتا تھا اور کبھی کبھار لیٹ بھی جایا کرتا تھا اور جب وہ اپنے معمول کے مطابق آتے تو ان سے وہ بات معلوم کرتا جس کے لیے حاضر ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگ میری اس بات پر ناراض ہوتے اور کہتے کہ تم جناب رسول اللہؐ کے چچازاد ہو اس لیے تمہارا حق ہے کہ کوئی ضرورت ہو تو ہمیں اپنے پاس بلاؤ۔ لیکن اگر خود ہی آتے ہو تو دروازہ کھٹکھٹا کر ہمیں مطلع کیا کرو، یہ باہر اتنی دیر انتظار میں کیوں کھڑے رہتے ہو اور چادر بچھا کر گلی میں کیوں بیٹھ جاتے ہو؟ میں انہیں بتاتا ہوں کہ میں اپنی غرض سے آیا ہوں آپ کو تنگ کرنا مجھے مناسب نہیں لگتا۔

حضرت ابن عباسؓ دراصل یہ بات بتا کر اپنے شاگردوں کو سمجھا رہے ہیں کہ آج میں تمہارے سامنے اس کیفیت میں بیٹھا ہوں کہ دنیا بھر سے لوگ میرے پاس آتے ہیں تو وہ ایسے ہی بلا سبب نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے طلب اور محنت ہے۔

ان دو اصحابِ رسولؐ کا تذکرہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ علم کے حصول کا راستہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی پیروی کی توفیق دیں اور یہ تعلیمی سال ہمیں شوق و ذوق اور محنت کے ساتھ اچھے طریقہ سے مکمل کرنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت

۱۴ نومبر ۲۰۱۱ء کو مسجد امام بخاری، بروکلین، نیویارک، امریکہ میں خطاب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس مسجد میں پہلے بھی کئی بار حاضری اور آپ حضرات کے ساتھ ملاقات ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں ایک بار پھر اس مسجد میں جمع ہونے، نماز عشاء با جماعت پڑھنے اور اس کے بعد دین کی کچھ باتیں کہنے اور سننے کے لیے جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نماز قبول فرمائیں، مل بیٹھنا قبول فرمائیں، کچھ مقصد کی باتیں کہنے سننے کی توفیق دیں، اور دین کی جو بات سمجھ میں آئے اس پر عمل کی توفیق سے بھی نوازیں، آمین یا رب العالمین۔ آج آپ حضرات سے دو تین مسئلوں پر تھوڑی بات کرنا چاہوں گا۔

اللہ اور رسولؐ دونوں کی اطاعت لازم ہے

ایک یہ کہ قرآن کریم میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اس کے رسولؐ کی بھی اطاعت کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ دونوں ہمارے مستقلاً مطاع ہیں۔ اس لیے ہم پر جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری ضروری ہے اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجاآوری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں بہت سے کاموں کا حکم دیا ہے، ان کے ساتھ جناب نبی اکرمؐ نے بھی ہمیں بہت سے احکام دیے ہیں۔ چنانچہ دین اللہ و رسولؐ دونوں کے احکام کی پیروی کا نام ہے اور جب تک دونوں کی اطاعت نہیں ہوگی، دین مکمل نہیں ہوگا۔

نماز کی فرضیت

مثلاً نماز ہی کو لے لیجیے جو اسلام کے فرائض میں سب سے اہم فریضہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ

تعالیٰ نے سینکڑوں آیات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس کی پابندی کی تلقین کی ہے، اس کے ترک پر اپنی ناراضگی اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا ہے اور اس کی اہمیت واضح فرمائی ہے، لیکن کہیں یہ نہیں بتایا کہ دن رات میں ہم نے کتنی نمازیں پڑھنی ہیں، نمازوں کے اوقات کیا ہیں، اس کی رکعات کتنی ہیں، ہر رکعت میں رکوع اور سجدے کتنے ہیں، اور نماز کی ترتیب اور کیفیات کیا ہیں؟ یہ سب باتیں ہمیں آنحضرتؐ کے ارشادات اور سنت سے ملتی ہیں۔ چونکہ نماز کی تفصیلات سے آپؐ نے امت کو آگاہ فرمایا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضورؐ کے ارشادات و اعمال دونوں کو جمع کریں گے تو نماز مکمل ہوگی اور ہم صحیح طریقہ سے نماز پڑھ سکیں گے۔ لیکن اگر ہم آپؐ کی حدیث و سنت کو (نعوذ باللہ) نظر انداز کر کے صرف قرآن کریم کی بنیاد پر نماز پڑھنا چاہیں گے تو ایک نماز بھی نہیں پڑھ سکیں گے۔ یہی صورت حال اسلام کے باقی فرائض اور دین کے دوسرے احکام کی ہے کہ ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول“ (النساء ۵۹) ان دونوں کو جمع کر کے ہی ہم ان کی بجاآوری کر سکیں گے۔

سفر کی قصر نماز

اس بات کی مزید وضاحت کے لیے قرآن کریم کی دو آیات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔ جب مسلمانوں کو اجازت ملی کہ وہ سفر میں نماز قصر کر سکتے ہیں اور چار رکعتوں کی بجائے سفر میں وہ دو رکعت ادا کریں گے تو قرآن کریم میں اس حکم کے ساتھ یہ شرط مذکور ہے کہ ”واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا“ (النساء ۱۰۱) اور جب تم سفر کے لیے نکلو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کر دو، اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ یعنی حالت جنگ میں یا دشمنوں کے علاقہ سے گزرتے ہوئے تمہیں خطرہ ہو کہ دشمن کہیں اچانک حملہ نہ کر دیں تو چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھ لو اور سنت و نفل کو چھوڑ دو۔ اس طرح یہ قصر اور دوگانہ نماز حالتِ جنگ اور دشمن کے حملہ کے خطرہ کے ساتھ مشروط قرار پاتی ہے۔ لیکن جناب نبی اکرمؐ جب حجۃ الوداع کے سفر پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آتے جاتے نماز قصر پڑھتے رہے حالانکہ کسی طرف سے کوئی خطرہ کی بات نہیں تھی اور نہ ہی دشمن کے خطرے کا کوئی دور دور تک امکان تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو اشکال ہوا کہ قصر کی نماز تو قرآن کریم نے حالتِ خوف کے ساتھ مشروط کی

ہے مگر ہم حالتِ امن میں بھی قصر نماز پڑھتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے یہ اشکال حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تو جناب رسول اللہؐ نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ ”اللہ تعالیٰ کا صدقہ کیوں واپس کرتے ہو؟“

اس کا میں اپنی زبان میں یوں ترجمہ کیا کرتا ہوں کہ ہم حالت امن میں قصر کرتے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نہیں روکا تو تم کیوں اس بارے میں بات کرتے ہو؟ ظاہر بات ہے کہ وحی کا سلسلہ تو جاری تھا، اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت نہ ہوتی تو وحی آجاتی کہ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ جب وحی میں اس عمل سے منع نہیں کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حالتِ امن میں قصر کی اجازت ہو گئی ہے۔

اس طرح حالتِ جنگ میں قصر نماز اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور حالتِ امن میں قصر نماز جناب نبی اکرمؐ کی سنت مبارکہ سے ہے۔ اور جس نکتہ کی طرف میں توجہ دلانا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ دونوں قصروں میں احکام اور ثواب واجر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

قرض اور گروی کا معاملہ

قرآن کریم کی ایک اور آیت مقدسہ کو بھی دیکھ لیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمانو! آپس میں جب تجارت کا کوئی بڑا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور اس پر گواہ بنا لیا کرو تاکہ بعد میں کوئی تنازعہ کھڑا نہ ہو، اس کے ساتھ ہی یہ حکم ہوا کہ ”وان کنتم علیٰ سفر ولم تجدوا کاتبًا فرہان مقبوضۃ“ (البقرہ ۲۸۳) اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی کو قبضہ میں دے دیا جائے۔ یعنی اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے کی سہولت موجود نہیں پاتے تو رہن کا معاملہ کر لیا کرو کہ جس کے ذمہ قرض ہے وہ ضمانت کے لیے کوئی چیز رہن کے طور پر دوسرے فریق کے قبضہ میں دے دے، جو رقم کی ادائیگی کے بعد واپس کر دی جائے۔

رہن کے احکام واضح ہیں جو آپ حضرات نے متعدّد بار سنے ہوں گے اور یہ رہن کاروبار اور قرضوں میں آج بھی ہر جگہ چلتا ہے۔ لیکن یہاں جو بات توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے رہن کو سفر کی حالت اور لکھنے کی سہولت موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ خاص کیا ہے، اقامت کی حالت اور لکھنے کی سہولت موجود ہونے کے حالات اس میں شامل نہیں ہیں۔ مگر رہن کے احکام و

ضوابط میں فقہاء کرام نے کہیں بھی اس کا فرق نہیں رکھا اور سفر و حضر ہر حالت میں رہن کا تعامل امت میں جاری چلا آرہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ حالتِ اقامت کا رہن کہاں سے آگیا؟ اس پر محدثین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جناب رسول اللہؐ کے ایک واقعہ کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے مدینہ منورہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ کر اس سے غلہ ادھار لیا تھا جبکہ یہ نہ سفر کا معاملہ تھا اور نہ ہی لکھنے کی سہولت مفقود تھی۔ یہاں فقہاء فرماتے ہیں کہ حالتِ سفر کا رہن تو قرآن کریم سے ثابت ہے جبکہ حالتِ اقامت کا رہن جناب نبی اکرمؐ کی سنت مبارکہ سے ثابت ہے۔ اور دونوں رہنوں میں احکام و مسائل کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

اس لیے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ دین صرف قرآن کریم کے احکام کو ماننے اور اللہ تعالیٰ کے فرامین کی اطاعت کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور سنن مبارکہ بھی اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح قرآن کریم کے احکام کی اطاعت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت آنحضرتؐ کی اطاعت پر موقوف ہے

دوسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو بھی جناب نبی اکرمؐ کی اطاعت پر موقوف کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ”من یطع الرسول فقد اطاع اللہ“ (النساء ۸۰) کہ جس نے رسول اکرمؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لیے کہ قرآن کریم کے احکام و فرامین کی شرح و تعبیر میں فائنل اتھارٹی جناب نبی اکرمؐ کی ذات گرامی ہے۔ قرآن کریم کی کسی آیت، جملہ یا لفظ کی جو تشریح حضورؐ نے کی ہے وہی اس کا اصل معنیٰ ہے اور وہی اس آیت، جملہ یا لفظ سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے کسی حکم پر جس طرح آپؐ نے عمل کیا ہے، وہی اس پر عمل کی حتمی شکل ہے، اس سے ہٹ کر قرآن کریم کے کسی حکم پر عمل کی کوئی اور کیفیت اختیار کی جائے گی تو وہ قرآن کریم پر عمل تصور نہیں ہوگا۔

قرآن کریم پڑھتے ہوئے اور اس کے احکام کو سمجھتے ہوئے بعض جگہ اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اس لیے کہ خود حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی بعض آیات قرآنی کے سمجھنے میں

اشکال ہو جاتا تھا، احادیث میں بیسیوں واقعات اس سلسلہ میں مذکور ہیں۔ اور بسا اوقات تو قرآن کریم کی آیت اور جناب نبی اکرمؐ کے ارشاد میں بظاہر تعارض محسوس ہونے لگتا تھا لیکن اس قسم کا کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ حضورؐ سے ہی رجوع کرتے تھے اور اس کی وضاحت میں آپؐ جو بھی فرما دیتے وہی اس آیت کریمہ کا صحیح مصداق سمجھا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی منشا و مراد قرار پاتا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اشکال

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا "من حوسب عذب" کہ جس کا حساب کتاب ہوا اسے ضرور عذاب ہو گا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ "فامّا من اوتی کتابہ بیمینہ o فسوف یحاسب حسابًا یسیرًا o وینقلب الی اھلہ مسرورًا" (الانشقاق ۷ تا ۹) پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل و عیال میں خوش واپس آئے گا۔ بلکہ ایک جگہ قرآن کریم میں یوں ہے کہ "فیقول ھاؤم اقرءوا کتابیہ o انی ظننت انی ملاق حسابیة o فھو فی عیشة راضیة" (الحاقہ ۱۹ تا ۲۱) کہ وہ کہے گا آؤ میرا نامہ اعمال اور رزلٹ کارڈ دیکھو، مجھے یقین تھا کہ مجھے یہی نتیجہ ملے گا، پس وہ خوشی کی زندگی میں ہو گا۔ حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کریم کی ان آیات کی رو سے حساب کتاب کے بعد بھی بہت سے لوگوں کو نجات اور خوشی ملے گی جبکہ آپؐ فرما رہے ہیں کہ "من حوسب عذب" جس کا حساب ہوا سے عذاب دیا جائے گا۔

بظاہر یہ تعارض قرآن کریم اور حدیثِ نبویؐ میں نظر آتا ہے کہ قرآن کریم کچھ اور فرما رہا ہے جبکہ حضورؐ کچھ اور۔ لیکن آپؐ نے یہاں ایک جملہ میں جواب دیا اور بات صاف کر دی "ذاک العرض یا عائشة" اے عائشہؓ جس حساب کی بات قرآن کریم میں کی گئی ہے وہ صرف پیشی ہے، یعنی سرسری پیشی پر ایک آدھ سوال کے ساتھ نجات کا پروانہ مل جائے گا۔ "اما من نوقش فقد عذب" لیکن جس کا مناقشہ ہوا یعنی جس کا ریکارڈ طلب کر لیا گیا وہ عذاب سے نہیں بچے گا۔

میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں انکم ٹیکس کی ادائیگی کے لیے تاجر حضرات حساب کتاب کا گوشوارہ پیش کرتے ہیں۔ انکم ٹیکس آفیسر نے اگر اس گوشوارے پر ایک دو سوال کر کے بات نمٹا دی تو جان چھوٹ گئی، لیکن اگر اس نے تفصیلی حساب کتاب کے لیے ریکارڈ طلب کر لیا تو مارے گئے۔

یہاں جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بظاہر ایک تعارض قرآن کریم کی آیت اور حضورؐ کے ارشاد میں دکھائی دے رہا ہے مگر یہاں بھی وضاحت کی اتھارٹی جناب نبی اکرمؐ کی ذات گرامی ہے کہ انہوں نے جو وضاحت کر دی وہی فائنل ہے اور وہی اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' (النساء ۸۰) کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کا جو مطلب اور مفہوم جناب نبی اکرمؐ نے اپنے قول یا عمل سے طے کر دیا ہے اس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت شمار ہوگی اور اگر کوئی اپنی مرضی کرنا چاہے گا کہ میں تو قرآن کریم کی اس آیت یا جملے سے یہ سمجھتا ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

قرآن کریم کی تعبیر و تشریح کی فائنل اتھارٹی کون؟

جبکہ تیسری بات آپ حضرات کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی کسی آیت یا جملے کا مفہوم سمجھنے میں بسا اوقات اس کا شانِ نزول معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دِقت پیش آتی ہے، اور جب تک وہ پس منظر معلوم نہ ہو آیت کریمہ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر بھی احادیث میں متعدّد واقعات موجود ہیں جن میں سے ایک کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا واقعہ

قدامہ بن مظعونؓ بدری صحابی ہیں، حضرت عمرؓ کے برادر نسبتی اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ماموں تھے۔ انہیں حضرت عمرؓ نے ایک صوبے کا گورنر بنایا تو وہاں سے رپورٹ آئی کہ حضرت قدامہ بن مظعونؓ کبھی کبھی شراب پیتے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے انکوائری کرائی تو بات درست ثابت ہوئی جس پر انہیں مدینہ منورہ طلب کر لیا گیا۔ وہ جب پیش ہوئے تو امیر المؤمنینؓ کے استفسار پر انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ کبھی کبھی شراب پیتے ہیں۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی کہ کبھی کبھی

شراب پینے کی قرآن کریم نے اجازت دی ہے کہ جن آیات میں شراب کی حرمت بیان کرکے اس کے پینے سے حتمی طور پر منع کیا گیا اور شراب نوشی کو شیطانی عمل اور نری گندگی قرار دیا گیا ہے، ان میں سے ایک آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ ”لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا“ (المائدہ ۹۳) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اگر انہوں نے اس چیز میں سے کچھ کھا پی لیا۔

حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا استدلال ”فیما طعموا“ سے تھا کہ تھوڑی بہت چکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے میں کبھی کبھار پی لیتا ہوں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ”الاصابۃ“ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کرکے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ کے اس استدلال کو مسترد کر دیا اور ان پر شراب نوشی کی حد جاری کی۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حتمی حکم جاری ہوا اور اسے ”رجس“ قرار دے کر اس سے قطعی طور پر منع کر دیا گیا تو بعض صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوا کہ جب یہ گند اور نجاست ہے تو ہمارے جو ساتھی اس کی حرمت کے اعلان سے پہلے شراب پیتے تھے اور ان میں سے بہت سے اسی حالت میں فوت بھی ہوگئے ہیں، ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جو ایمان اور عمل صالح والے لوگ ایمان و تقویٰ کے ساتھ اس سے قبل شراب پیتے رہے ہیں ان پر کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ جب شراب حرام نہیں ہوئی تھی تو پینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ گویا اس ”فیما طعموا“ کا تعلق مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی سے ہے۔

میں آپ حضرات سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اگر اس آیت کریمہ کا یہ پس منظر ہمیں معلوم نہ ہو تو کیا اس کا صحیح مطلب اور مصداق ہم سمجھ پائیں گے؟ بہت سے لوگوں کو قرآن کریم کی بعض آیات کو سمجھنے اور ان کے صحیح مطلب تک پہنچنے میں دشواری اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کے حوالہ سے جناب نبی اکرمؐ کی قولی یا عملی تشریح کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور آیت کے شان نزول سے واقفیت کی زحمت گوارا نہیں کرتے بلکہ اپنے فہم اور علم کے زور سے آیت کریمہ کا مفہوم و مصداق طے کرنے کی کوشش میں گمراہ ہو جاتے ہیں۔

اس لیے آج کی میری ان گزارشات کے خلاصہ کے طور پر یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ہم پر صرف

قرآن کریم کے احکام کی اطاعت فرض نہیں بلکہ ان کے ساتھ جناب نبی اکرمؐ کے احکام کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے۔ اور قرآن کریم کی کسی آیت، جملہ یا لفظ کی وہی تشریح و تعبیر حتمی ہے جو جناب نبی اکرمؐ نے اپنے قول یا عمل کے ساتھ کی ہے۔ اور اگر قرآن کریم کی کسی بات کو سمجھنے میں دقت پیش آئے تو اس کے لیے آنحضرتؐ کی حدیث و سنت کے ساتھ ساتھ اس آیت کریمہ کے شانِ نزول اور پس منظر کو سمجھنا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن کریم کا صحیح معنیٰ و مفہوم متعیّن نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر صحیح طریقہ سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

لباس وستر پوشی اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۸ اگست ۲۰۱۳ء

اے پی پی کے حوالہ سے ''پاکستان'' میں ۶ اگست کو شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق لندن کے علاقے ورسسٹر شائر کے ایک مڈل سکول نے ۹ سال تک کی عمر کی طالبات پر اسکرٹ پہننے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ ذرائع کے مطابق واک ورڈ چرچ آف انگلینڈ مڈل سکول کا موقف ہے کہ طالبات نے بہت ہی چھوٹے اسکرٹ پہننا شروع کر دیے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے مجبوری میں پابندی لگائی ہے۔ سکول انتظامیہ نے طالبات سے کہا ہے کہ وہ ستمبر سے ٹراؤزر اور واجبی سا بلاؤز پہننے کی بجائے یونیفارم کا ٹاپ زیب تن کریں۔ لیکن طالبات کے والدین نے اس پابندی پر تنقید کی ہے، ان کے خیال میں اس پابندی سے ان کی لڑکیاں ابہام کا شکار ہوں گی۔ لندن میں اب تک ۶۳ سکولوں میں اسکرٹ پہننے پر پابندی لگائی جاچکی ہے جن میں زیادہ تر سیکنڈری سکول ہیں۔

ستر پوشی اور قرآن کریم

لباس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زینت کے ساتھ ساتھ ستر پوشی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر لباس کے چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

''لباس زینت اور ستر پوشی کا ذریعہ ہے'' (الاعراف ۲۶)،

''لباس گرمی سے بچاؤ اور حملہ سے تحفظ کا ذریعہ ہے'' (النحل ۸۱)۔

اس لیے ستر پوشی لباس کے بنیادی مقاصد میں سے ہے بلکہ سورۃ الاعراف کی آیت ۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبردار کیا ہے کہ شیطان نے جس طرح تمہارے ماں باپ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو بے لباس کر کے جنت سے نکالا تھا، اسی طرح وہ تمہیں بھی بے

لباس کر کے فتنے میں ڈالے گا اور جنت میں جانے سے روکے گا۔ جبکہ اس کی تفصیل بھی سورۃ الاعراف کی آیت ۲۰ تا ۲۲ میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے شجرِ ممنوعہ کا پھل چکھا تو ان کا جنت کا لباس اتر گیا اور وہ اپنا ستر چھپانے کے لیے بے ساختہ درخت کے پتوں سے ستر پوشی کرنے لگے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ستر پوشی“ انسان کی فطرتِ سلیم کا حصہ ہے کیونکہ نسلِ انسانی کے پہلے جوڑے نے اچانک ستر کھل جانے پر بے ساختہ درخت کے پتوں کی طرف رخ کیا تھا تاکہ وہ اپنا ستر ڈھانپ سکیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بے لباسی کو شیطان کا ایک ہتھکنڈہ قرار دیا ہے جس کے ذریعے وہ انسانوں کو فتنوں میں ڈالتا اور گمراہ کرتا ہے۔

ستر پوشی اور ارشاداتِ نبویؐ

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدّد ارشادات گرامی میں لباس کی اہمیت اور اس کے مقاصد کی طرف توجہ دلائی ہے، اور لباس کے حوالہ سے مسلمانوں کو واضح ہدایات دی ہیں جو نہ صرف اسلامی معاشرت اور ثقافت کی بنیاد ہیں بلکہ انسانی فطرت اور نیچر کی بھی نشاندہی کرتی ہیں۔ ان میں سے چند ارشادات نبویؐ کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

- مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کی ایسی کیفیت سے منع فرمایا ہے جو ”کاشفا عن فرجہ“ شرم گاہ کے عریاں ہو جانے کا احتمال رکھتی ہو۔ اس حدیث میں احتباء کا ذکر ہے کہ بعض لوگ ایک ہی چادر میں جسم کو لپیٹ لیتے تھے جس سے اٹھنے بیٹھنے یا ہوا کا سامنا کرنے سے بے ستر ہونے کا خطرہ ہوتا تھا، اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرما دیا۔
- ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تلقین فرمائی کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کا چہرہ اور بازو وغیرہ نظر نہیں آنے چاہئیں۔
- حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک

قبطی چادر دی اور فرمایا کہ اس کے دو حصے کر کے ایک خود استعمال کرو اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دو۔ ابوداؤد شریف کی روایت کے مطابق چادر باریک ہو جانے کی وجہ سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ اپنی بیوی سے کہہ دو کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا بھی لگائے تاکہ اس کا جسم نظر نہ آئے۔

- مسند احمدؒ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے جو شہرت کا باعث ہو یعنی اس لباس کا خواہ مخواہ لوگوں میں تذکرہ ہونے لگے۔
- نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا لباس مت پہنو جس میں فضول خرچی ہو یا تکبر اور بڑائی کا اظہار ہو۔
- ترمذی شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے اور ریشم کا استعمال میری امت کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا ہے اور مردوں کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔
- ابوداؤد شریف کی روایت کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کا لباس پہننے والی عورتوں اور عورتوں جیسا لباس پہننے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور مرد کے لباس میں فرق کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔
- مسند احمدؒ کی روایت کے مطابق حضرت مالک بن فضلہؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو میں نے معمولی سا لباس پہن رکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس اتنی رقم نہیں کہ کوئی اچھا لباس پہن سکو؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں تو بڑی حیثیت والا شخص ہوں اور میرے پاس تو اتنے اونٹ اور بکریاں ہیں۔ اس پر جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا ''فلیرٰی اثر نعمت اللہ علیک'' تجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اثرات نظر آنے چاہئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو لباس اپنی حیثیت کے مطابق پہننا

چاہیے البتہ اس میں شوخ پن، زنانہ پن، فضول خرچی، شہرت اور دکھاوا نہیں ہونا چاہیے۔

- مؤطا امام مالکؒ کی روایت کے مطابق حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس کے بال پراگندہ تھے اور داڑھی بکھری ہوئی تھی۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اشارے سے پاس بلایا اور بال اور داڑھی سنوارنے کی تلقین فرمائی۔ وہ اس حکم کی تعمیل کر کے واپس چلا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ شخص اس طرح اچھا لگتا ہے، یا اس کیفیت میں کہ اس کے بال شیطان کی طرح بکھرے ہوئے تھے؟

اسلام کی فطری تعلیمات اور مغربی تہذیب

لباس کے بارے میں قرآن وسنت کی یہ فطری تعلیمات ایک باوقار اور متوازن انسانی معاشرت کی حقیقی بنیادیں ہیں لیکن مغرب نے اس حوالہ سے گزشتہ دوصدیوں سے جو طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے وہ قرآن کریم کی مذکورہ پیشگوئی کے مطابق فتنوں کے مسلسل پھیلاؤ کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ اس سے نہ صرف عورت کی شرم وحیا مغربی معاشرہ میں قصہ پارینہ بن کر رہ گئی ہے بلکہ مرد اور عورت کا امتیاز بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں لطیفہ کی ایک بات ہے کہ ایک موقع پر میں نے لندن کے کسی بازار میں جاتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ یار جانے والوں کو اگر سامنے سے نہ دیکھا جائے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ جا رہا ہے یا جا رہی ہے۔ اس نے فوراً کہا کہ کیوں نہیں پتہ چلتا، صاف معلوم ہو جاتا ہے، اگر اس نے پتلون وغیرہ پہن رکھی ہے تو جا رہا ہے اور نہیں پہن رکھی تو جا رہی ہے۔ یہ اگرچہ لطیفے کے انداز کی بات ہے لیکن حقیقت سے خالی نہیں ہے۔

عورت کے لباس کو مختصر سے مختصر ترین کرتے چلے جانے کی دوڑ میں مغرب اس حد تک آگے جا چکا ہے کہ اب خود اس کو یہ بے لباسی یا کم لباسی محسوس ہونے لگی ہے۔ جس کا اظہار لندن کے ۶۳ کے لگ بھگ سیکنڈری سکولوں میں لڑکیوں کو اسکرٹ کی بجائے پورا لباس پہننے کی اس ہدایت کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ اور یہ بھی ان علامتوں میں سے ایک ہے جو انسان کی اصل فطرت کی طرف لوٹنے کی خواہش کے سلیم الفطرت لوگوں کے دلوں میں مچلنے کی نشاندہی کر رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مغربی دنیا میں اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد خواتین کی ہے جو مغرب کے غیر فطری معاشرتی

ماحول سے تنگ آکر حقیقی عزت و وقار اور حیا و ستر کے حصول کے لیے اسلام کے دامن میں پناہ لے رہی ہیں۔ یہ آج کے دور میں قرآن و سنت کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا اظہار و اعجاز ہے۔